قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹس کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جاسکتا ہے۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 12-5-04
کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

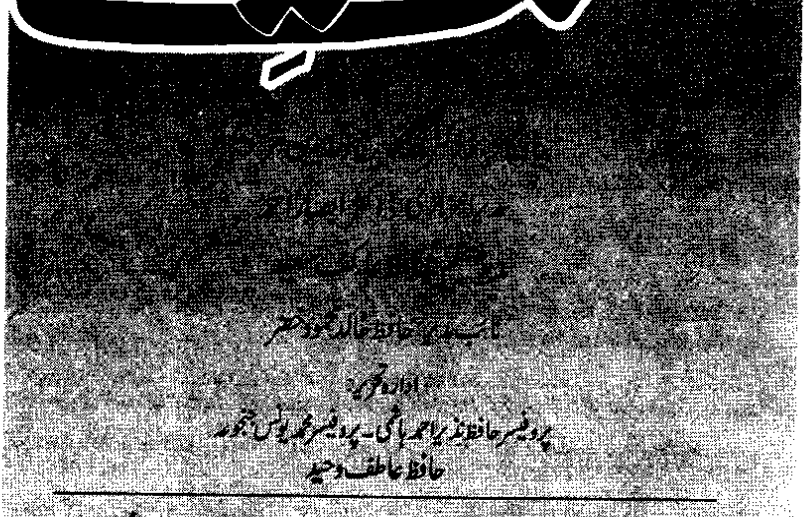

جلد ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ - مئی ۲۰۰۴ء شمارہ ۵

یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱
ویب سائٹ: www.tanzeem.org
سالانہ زرِتعاون: 100 روپے' فی شمارہ: 10 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن اکیڈمی لاہور میں شعبہ تحقیق اسلامی کا قیام

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے مقاصد میں قرآنِ حکیم کے آفاقی پیغام اور علوم کی وسیع پیمانے پر نشر واشاعت اور حکمتِ قرآنی کا فروغ سرفہرست ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مرکزی انجمن کے تحت ''قرآن اکیڈمی'' کا قیام اوّل روز سے پیش نظر تھا۔ مرکزی انجمن کا قیام ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا تھا اور ۱۹۷۶ء سے قرآن اکیڈمی کی تعمیر کا آغاز ہو گیا تھا جس کا پہلا مرحلہ جو مجوزہ مسجد کے بیسمنٹ اور ایک رہائشی بلاک پر مشتمل تھا' جنوری ۷۷ء میں مکمل ہوا اور انجمن کا مرکزی دفتر ۱۲ افغانی روڈ سمن آباد سے قرآن اکیڈمی (۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن) منتقل ہوا ـــــ یوں قرآن اکیڈمی اور مرکزی انجمن خدام القرآن مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہونے لگے ـــــ اس لئے کہ انجمن کا مرکزی دفتر بھی وہی تھا' اور ایک طویل عرصے تک خدمت قرآنی کے ضمن میں مرکزی انجمن کی تمام سرگرمیوں کا مرکز ومحور بھی یہی مقام تھا۔ بعد میں قرآن آڈیٹوریم اور قرآن کالج کی تعمیر کے بعد یہ معاملہ منقسم ہوگیا۔

بحمد اللہ' خدمت قرآنی کے ضمن میں مرکزی انجمن خدام القرآن اور اس کے صدر مؤسس' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مساعی کو شرف قبول بخشا اور محدود وسائل کے ساتھ شروع ہونے والا یہ چھوٹا سا ادارہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا اور ملک کے طول وعرض میں ہی نہیں' بیرون پاکستان بھی ''خدمت قرآنی'' کا ایک سمبل بن گیا۔ کام کا حجم بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں نئے نئے شعبے وجود میں آتے گئے اور ایک فطری تدریج کے ساتھ اکیڈمی کی تعمیرات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اب تک مرکزی انجمن کے انتظامی شعبوں یعنی ایڈمن اور اکاؤنٹس کے ساتھ ساتھ مکتبہ انجمن' شعبہ سمع وبصر' شعبہ تصنیف و تالیف' شعبہ مطبوعات' کمپیوٹر سیکشن' شعبہ تدریس اور شعبہ خط وکتابت کورس وجود میں آچکے ہیں' جو مل جل کر مرکزی انجمن کے پیش نظر اہداف کے حصول کے لئے مؤثر انداز میں سرگرم

عمل ہیں۔ ابتدائی درجے میں علمی و تحقیقی کام قبل ازیں شعبۂ تصنیف و تالیف اور شعبہ مطبوعات کے تحت بھی ہو رہا تھا جس کے لئے میدان ہموار کرنے کی خاطر شعبہ تدریس اپنا رول عمدگی سے ادا کر رہا ہے' لیکن ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ علمی و تحقیقی کام کے لئے ایک علیحدہ بھرپور شعبہ تشکیل دیا جائے جو قرآن اکیڈمی کے تکمیلی مقاصد کے لئے مؤثر انداز میں کام کرے۔ بحمد اللہ پچھلے دنوں اس شعبے کے لئے ضروری وسائل مہیا ہونے پر' جن میں اہم ترین معاملہ مناسب افراد کی دستیابی کا تھا' شعبہ تحقیقات اسلامی کے نام سے اس شعبے کا قیام عمل میں آ گیا ہے جس کی ضرورت کا احساس بہت پہلے سے تھا' اور جس کے بغیر قرآن اکیڈمی کا تصور ادھورا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ شعبہ اسلام اور قرآن کے حوالے سے علمی تحقیق کا کام وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر اس طور سے انجام دے سکے کہ دین کی حقیقی روح کسی پہلو سے بھی مجروح نہ ہو اور عالمی سطح پر احیاء اسلام کے ہمہ گیر کام کی راہ بھی اس کے ذریعے سے ہموار ہو سکے۔

ذیل میں شعبہ تحقیقات اسلامی کے اغراض و مقاصد کا وہ اجمالی خاکہ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے جو شعبہ کے قیام کے موقع پر بطور ہدف مرتب کیا گیا۔ رفقاء و احباب میں سے جو بھی اس شعبے سے دلچسپی رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ فکری یا عملی وابستگی کے خواہش مند ہوں وہ قرآن اکیڈمی میں شعبہ تحقیقات اسلامی کے انچارج برادرم حافظ عاطف وحید صاحب سے رجوع کریں۔

(۱) بحث و تحقیق:

یہ اس شعبے کا سب سے نمایاں اور ہدف کے اعتبار سے سب سے بلند کام ہے۔ اس کے ذیل میں دعوت اسلامی کا وہ عظیم کام مقصود ہے جسے قرآنی الفاظ میں ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ ...﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی امت کے ذہین اور تعلیمیافتہ طبقے کو حکمت قرآنی کے ذریعے دین کی دعوت پہنچائی جائے اور دین کی حقانیت اور فکرِ اسلامی کے عُلُوّ کو ہدایتِ قرآنی کی روشنی میں مؤکد اور مدلل انداز میں پیش کیا جائے۔ اس مقصد تک رسائی کے لئے اُن لادینی اور ملحدانہ نظریات کا مؤثر اور مدلل ابطال بھی ضروری ہے جو جاہلیت جدیدہ اور جاہلیت قدیمہ کی صورت میں آج کے انسان کو آسمانی ہدایت سے دور کرنے اور عقیدہ و عمل کے زوال کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ ہمارے تجزیئے کے مطابق متذکرہ بالا جاہلیت ہائے قدیمہ و جدیدہ چونکہ آج مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے عقیدے کو مسموم اور علومِ معاشرت و معیشت و سیاست کو الحاد' مادہ پرستی اور ہوس پرستی سے

آلودہ کئے ہوئے ہیں' لہٰذا ان کا رد کئے بغیر نہ احیاءِ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس خاطر کی جانے والی مساعی مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں۔

(۲) اسلام کے انقلابی فکر کی تشریح و توضیح:

ہم یعنی وابستگان انجمن خدام القرآن و تنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہٗ کی اُس انقلابی فکر کے امین ہیں جو احیاءِ دین اور تجدیدِ دین کے حوالے سے اب ایک مکمل نظریے کے طور پر جانی پہچانی جاتی ہے۔ دورِ نبوی ﷺ اور دورِ خلافتِ راشدہ میں دین کا انقلابی یا حرکی پہلو اصلاً اسی انقلابی تحریک کا نام تھا جو نبی اکرم ﷺ اور انکے صحابہؓ نے برپا کی اور جسکے نتیجے کے طور پر وہ اسلامی ریاست وجود میں آئی جو انسانیت کے لئے اجتماعی سطح پر شرف و حجت کا باعث بنی۔ البتہ اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلام کے سیاسی زوال کے نتیجے میں یہ انقلابی فکر یا دین کا یہ حرکی تصور نہ صرف مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل اور ذہنوں سے محو ہوتا چلا گیا بلکہ اس کے عدم وجود کے سبب اسکا التزام ایک اضافی بلکہ غیر ضروری تصور بن گیا۔ اسلام کے اس انقلابی فکر کو حیاۃِ نو نصیب ہوئی پچھلی صدی کے دوران جب عالمِ اسلام پر سے بلاواسطہ استعماریت کا خاتمہ قریب ہوا اور اسلام سیاسی اعتبار سے زوال کی انتہا کو پہنچ کر ایک مرتبہ پھر سر اٹھانے کے قابل ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب برصغیر کے مسلمانوں میں احیاءِ اسلام کی روح بیدار کرنے کے لئے اللہ نے اس خطے میں کئی نابغہ شخصیات پیدا کیں۔ اِن میں فکرِ اسلامی کی تجدید نو اور اسلام کے بحیثیتِ دین احیاء کے حوالے سے علامہ محمد اقبال اور مسلمانوں کی حریت و آزادی اور اسکی عملی تگ و دو کے حوالے سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا نام سرفہرست ہے۔ اِن مشاہیر اور اِن جیسے دوسرے اکابرین نے اسلام کے محدود مذہبی تصور کی نفی کرتے ہوئے مسلمانانِ برصغیر کو ''اسلام بطور دین'' اور ''اسلام بطور مکمل ضابطۂ حیات'' کا درس دیا۔ یہ وہ انقلابی تصورِ اسلام ہے جو انسانی زندگی کے انفرادی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اجتماعی گوشوں پر بھی محیط ہے۔ یہی وہ انقلابی فکر ہے جسے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہٗ نے سابقہ نصف صدی سے زائد عرصہ کے دوران نہ صرف مُلک کے کونے کونے میں' بلکہ زمین کے طول و عرض میں بھی دعوت قرآنی اور حکمت قرآنی کی ترویج کے ذریعے پھیلایا ہے' عام کیا ہے' اور ہر دردِ دل رکھنے والے کو اس کی طرف پکارا ہے۔ اب یہ فکر اس بات کی متقاضی ہے کہ بڑی تعداد میں اس کے علمبردار پیدا ہوں' اسے آگے

(باقی صفحہ 26 پر)

مطالعہ قرآن حکیم

منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں
قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت
اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید
(۱۳)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۚ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۝﴾ (آیات ۱۸،۱۹)

سورۃ الحدید کی آیات کو ہم نے بغرضِ تفہیم جن مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے انہیں پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے! پہلی چھ آیات حد درجے جامعیت کے ساتھ اور بلند ترین علمی سطح پر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مباحث پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد کی پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ کے بندۂ مؤمن سے دو مطالبے دو اصطلاحات (ایمان اور انفاق) کے حوالے سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ آیت ۷ میں ارشاد ہوا: ''ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور جو جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے (ہمارے لئے

لگادو' کھپادو) خرچ کردو!'' اور پھر یہ کہ اگر دونوں مطالبات کے ضمن میں کوئی ہچکچاہٹ ہے' کوئی کمی و تقصیر ہے تو ایک ایک آیت میں ملامت اور زجر کے انداز میں گرفت کی گئی اور ایک ایک آیت میں ترغیب و تشویق اور حوصلہ افزائی کا انداز اختیار کیا گیا۔ اگلی چار آیات میں میدانِ حشر کے اِس مرحلے کا نقشہ کھینچا گیا جس میں ایک چھلنی لگائی جائے گی کہ دنیا میں جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں ان میں کون واقعتاً صاحب ایمان ہیں' چاہے ان کے پاس ایمان کم ہو یا زیادہ' اس کی گہرائی اور اس کی وسعت کم ہو یا زیادہ۔ جن کے پاس کچھ بھی ایمانِ حقیقی موجود ہوگا انہیں وہاں ایک نور عطا ہوگا اور اس نور کی مدد سے وہ اس سخت ترین مرحلے کو' جسے ہم اپنی عام زبان میں پل صراط کہتے ہیں' عبور کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جبکہ جو منافق تھے' ایمان سے سرے سے خالی تھے' ان لوگوں کو نور نہیں ملے گا' وہ ٹھوکریں کھاتے ہوئے وہیں رہ جائیں گے اور جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس طرح حقیقی اہل ایمان اور منافقین کے مابین تقسیم اور تفریق ہو جائے گی۔ اسی کے ذیل میں پھر وہ مکالمہ ہے کہ پیچھے رہ جانے والے منافقین کامیاب ہو جانے والے اہل ایمان کو پکار کر کہیں گے: ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ ''کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے؟'' اور اس کے جواب میں قرآن حکیم کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان سے ''راہِ نفاق'' کے سنگ ہائے میل نمایاں ہو جاتے ہیں کہ نفاق کی حقیقت کیا ہے؟ نفاق کا سبب کیا چیز بنتی ہے؟ منافق نفسیاتی اعتبار سے کن کن مراحل اور مدارج سے گزر کر اس کی تیسری سٹیج تک پہنچتا ہے' اور پھر اس کا آخری انجام کیا ہے۔ یعنی وہ مضامین جو سورۃ المنافقون کی آٹھ آیات میں بیان ہوئے ہیں' یہاں دو آیتوں کے اندر اُن کا نقشہ کھینچ دیا گیا۔ اس کے بعد چوتھے حصے میں' جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا' سلوکِ قرآنی بیان ہوا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہ ڈائیگرام ملاحظہ کیجئے۔ صالحین' صدیقین' شہداء اور نبوت و رسالت جیسی اصطلاحات پر اگرچہ کافی گفتگو ہو چکی ہے' لیکن میں چاہتا ہوں کہ بات مزید واضح ہو جائے' اس لئے کہ یہ وہ مضامین ہیں کہ شاذ ہی لوگوں نے ان سے بحث کی ہے: (ڈایاگرام اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

سلوکِ قرآنی

سورۂ حدید کی آیات ۱۶ تا ۱۹ کی روشنی میں!

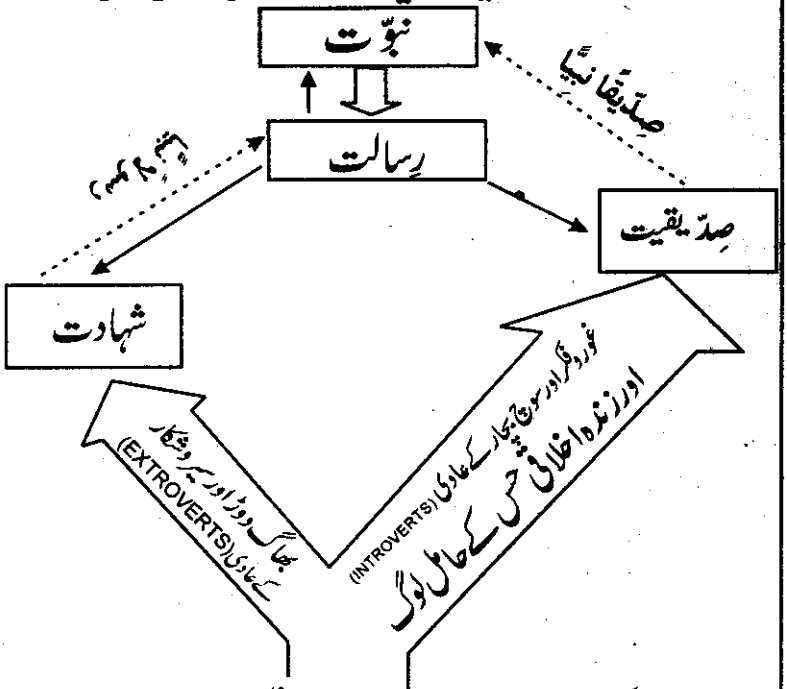

آیت ۱۸: کثرتِ صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے

دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ

صَالِحین

نتیجہ: اصلاح کا ارادہ (مُرید) اور عمل کا عزم مصمّم!

آیت ۱۷: اصلاحِ حال اور آمادۂ عمل ہونے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی

آیت ۱۶: نسلی، روایتی، غافل اور بے عمل مسلمانوں کو تنبیہ و ملامت

خاص طور پر سابقہ اُمّت مسلمہ کے انجام سے سبق حاصل کرنے کی ترغیب

اس چارٹ کو سمجھنے کے لئے نیچے سے اوپر چلئے۔ آیت نمبر ۱۶ ہے:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾

اس آیت کا حاصل ہے: ''نسلی' روایتی' غافل اور بے عمل مسلمانوں کو تنبیہ اور ملامت۔ خاص طور پر سابقہ اُمتِ مسلمہ کے انجام سے سبق حاصل کرنے کی ترغیب''۔

پھر اگر اپنے باطن میں جھانکو اور محسوس کرو کہ حقیقتِ ایمان تو ہمیں حاصل نہیں تو مایوس نہ ہو جاؤ۔ ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (آیت ۱۷) گویا اس آیت کا حاصل ہے: ''اصلاحِ حال اور آمادۂ عمل ہونے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی''۔ اس میں حوصلہ افزائی بھی ہے' ترغیب بھی ہے' تشویق بھی ہے کہ کمر ہمت کسو' ارادہ کرو!

اس کا جو نتیجہ ہے وہ اب تیسری لائن میں ہے: ''اصلاحِ حال کا ارادہ اور عمل کا عزمِ مصمم''۔ ارادہ کے بعد بریکٹ میں لفظ ''مُرِیْد'' لکھا ہے۔ اصل میں یہ اَرَادَ' یُرِیْدُ' اِرَادَۃً (باب افعال) سے اسم الفاعل ہے' یعنی ''ارادہ کر لینے والا''۔ گویا کہ ان دونوں آیات (۱۶' ۱۷) کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کے اندر ارادہ اور عمل کا عزمِ مصمم پیدا ہو جائے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ جو حضرات بھی اس حلقۂ درس میں شرکت فرما رہے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت تک پہنچا دیا ہو اور وہ ایک عزمِ مصمم کر لیں کہ دین کے جو بھی تقاضے اور مطالبات ہیں وہ ان کو ادا کریں گے۔

اب اس سے اوپر آیئے! آیت نمبر ۱۸ کے الفاظ ہیں: ﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴾ اس آیت کا حاصل ہے: ''کثرتِ صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ''۔ یہی نجاست ہے' اور اس کو اگر دور نہیں کریں گے تو قربِ الٰہی کی منازل طے نہیں ہو سکیں گی۔ اسی کو میں تعبیر کرتا ہوں کہ یہ بریک ہے' اگر

یہ نہیں کھلے گا تو آگے ترقی اور پیش رفت نہیں ہو سکتی۔

جو لوگ اس پر کاربند ہو جائیں وہ گویا زمرۂ ''صالحین'' میں شامل ہو گئے۔ یہ صالحین وہ لفظ ہے کہ جو سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں گویا base line کا کام دیتا ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

یعنی جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت پر کاربند ہو گیا اسے معنوی معیت اور رفاقت حاصل ہو جائے گی ان کی جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے' یعنی انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین۔ اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں! تو جو شخص ارادہ کر چکا ہو اور ارادہ کر کے اپنی کشت قلب میں انفاق اور صدقہ و خیرات کا ہل چلا لے وہ صالحین میں شامل ہو جائے گا۔ اگر ارادہ کرنے کے باوجود معطل رہ گیا' عملاً کوئی پیش قدمی نہیں کی تو اُس کا وہ مقام نہیں ہے۔ اسی لئے چوتھی لائن میں علیحدہ سے واضح کیا ہے کہ صالحین وہ ہیں کہ جو کثرت صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ کریں۔

اب اس سے اوپر دو شاخیں بنائی گئی ہیں۔ یہ وہ دو اَقسام ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی عظیم اکثریت کو پیدا کیا ہے۔ تیسری قسم یعنی Ambiverts بہت شاذ ہوتے ہیں۔ لوگ عام طور پر یا تو بیرون بین (Extroverts) ہوتے ہیں یا دروں بین (Introverts)۔ داہنی طرف Introverts ہیں: ''غور و فکر اور سوچ و بچار کے عادی' اور زندہ اخلاقی حس کے حامل لوگ''۔ ان کے اندر سلامتیٔ فکر بھی ہے' سلامتیٔ عقل بھی ہے اور سلامتیٔ فطرت بھی ہے۔ ان کی اخلاقی حس بھی زندہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کا امتیاز تو فطرتِ انسانی میں ودیعت کر دیا ہے۔ ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۞ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۞﴾ تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو مرتبۂ ''صِدّیقیت'' تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔ یہ انبیاء سے نیچے' سب سے اونچا مقام ہے جس تک انسان رسائی حاصل کر سکتا ہے۔

دوسری طرف دوسرے قسم کے لوگ ہیں: ''بھاگ دوڑ اور سیر وشکار کے عادی لوگ''۔ یہ Extroverts ہیں۔ انبیاء کرامؑ میں سے آپ حضرت موسیٰ اور حضرت اسماعیل (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو ذہن میں رکھئے اور صحابۂ کرام میں سے حضرات عمر اور حمزہ (رضی اللہ عنہما) کو سامنے رکھئے۔ ان کا یہی مزاج تھا۔ حضرت عمرؓ تو پہلوان قسم کے آدمی تھے' اور انہیں غور وفکر اور سوچ بچار سے طبعی مناسبت بھی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آبائی حمیتیں اور آبائی عصبیتیں ان کے دل میں بڑی گہری اتری ہوئی تھیں۔ اسی لئے مسلمانوں سے دشمنی تھی' حضور ﷺ سے بھی سخت ناراضگی تھی' یہاں تک کہ انتہائی فیصلہ کرلیا تھا کہ اب تو میں چراغ نبوت کو گل کر کے ہی گھر واپس آؤں گا۔ حضرت حمزہؓ حالانکہ قرابت میں حضور ﷺ سے قریب ترین ہیں' نہایت محبت بھی کرتے ہیں' عزیز رکھتے ہیں' محبت ہی کے جوش مارنے کی وجہ سے تو ایمان لائے ہیں' لیکن آنحضور ﷺ کی دعوت کو چھ برس بیت گئے اور انہیں اپنے سیر وشکار سے فرصت ہی نہیں ہے۔ ادھر توجہ ہی نہیں ہے۔ تو یہ ہیں Extroverts کی مثالیں۔

دوسری طرف Introverts کی مثالیں دیکھئے۔ جیسے کہ میں نے عرض کیا' قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ غور وفکر اور سوچ بچار کے حوالے سے ممتاز نظر آتا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں اور زمین پر غور وفکر ہو رہا ہے' ہستی باری تعالیٰ کے بارے میں سوچ بچار ہے۔ اور پھر سلیم الفطرت ہیں۔ اس ضمن میں دوسری جو مثال قرآن مجید میں نمایاں ہے وہ حضرت ادریس علیہ السلام کی ہے۔ جبکہ صحابۂ کرام میں سے حضرت ابوبکر الصدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما اور خواتین میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' یہ وہ لوگ ہیں جو صدیقیت کے مزاج کے حامل ہیں۔ چنانچہ مرتبہ ''صالحیت'' کے بعد جو ارتقاء ہوگا' انسان سلوک کی منازل میں آگے بڑھے گا' ترقی ہوگی تو افتادِ طبع کے اعتبار سے یہ دو لائنیں علیحدہ ہو جائیں گی۔ یہ نسبت واضح ہوگئی اس آیت کی طرف ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ

اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴾ ۔

اس کے بعد اگرچہ یہاں لفظ ''ثُمَّ'' موجود نہیں ہے' لیکن مَیں '' القرآنُ یفسِّر بعضُہ بعضًا '' کے اصول پر سورۃ البلد کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ آیت ۱۸ اور آیت ۱۹ کے درمیان ''ثُمَّ'' کو محذوف سمجھئے' مقدر مانئے! ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۔ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ ﴾ یعنی جب یہ کام (صدقہ وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ) کر کے لوگ آگے بڑھیں گے' ان کے دل سے دنیا اور مال کی محبت کا ازالہ ہو جائے گا' بریک کھل جائے گا' ترقی ہوگی' ارتقاء ہوگا' جو اعلیٰ معیارات اور مقامات ہیں' ان تک رسائی ہوگی تو انسان یا صدیقین کے مقام تک پہنچ سکے گا یا شہداء کے مقام تک۔

اس سے اوپر کا جو معاملہ ہے وہ میں نے مزید واضح کیا ہے کہ نبوت اوپر ہے' رسالت نیچے ہے' کیونکہ میں ان لوگوں سے متفق ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت کا رتبہ رسالت سے اونچا ہے' بایں معنی کہ نبوت درحقیقت مقامِ عروج میں اور رسالت مقامِ نزول میں ہے۔ نبوت کا رُخ اللہ کی طرف ہے اور رسالت کا رُخ بندوں کی طرف ہے۔ اس اعتبار سے میں نے نبوت کو رسالت سے اوپر رکھا ہے۔ لیکن اصل میں صدیقیت کی اصطلاح رسالت ہی کے لفظ سے واضح ہوتی ہے۔ یعنی جیسے ہی رسول کی دعوت کسی صدیق کا مزاج رکھنے والے شخص کے کان میں پہنچے گی وہ فوراً لبیک کہے گا' اسے کوئی دیر نہیں لگے گی' اس لئے کہ یہ اُس کی سلامتیٔ عقل اور سلامتیٔ فطرت کا تقاضا ہے۔ وہ خود پہلے سے گویا تیار ہے۔ میں تو اِس کی مثال دیا کرتا ہوں جیسے کوئی شخص وضو کر کے گھر میں بیٹھا ہو اور اذان کی آواز آئے تو یقیناً وہ مسجد کا رُخ کرے گا۔ صدیقین کی شخصیت میں بالکل اس طرح کی آمادگی پہلے سے موجود ہوتی ہے۔

دوسری قسم کے لوگوں یعنی شہداء کو اگرچہ قبولِ حق میں دیر تو لگ جاتی ہے' جیسے حضرات عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہما کو بھی چھ سال لگ گئے' لیکن چونکہ وہ فعال اور طاقتور قسم کے لوگ تھے' ان کی ہیبت تھی' لہٰذا ان سے مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ حالانکہ اس

سے پہلے صدیقین ہی کی جماعت تھی جو حضور ﷺ پر ایمان لائی' لیکن شہداء اپنی فعالیت کی وجہ سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی شخصیت کے ایک خاص مزاج کے اعتبار سے وہ قوی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے بعد مسلمان دھڑلے کے ساتھ کھلم کھلا حرم میں نمازیں پڑھنے لگے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم جب ہجرت کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو چھپ کر نکلتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہو' خواہ مخواہ کوئی مزاحم ہوگا یا کسی اور طرح کی مشکل پیش آ جائے گی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان یہ ہے کہ جب ہجرت کے لئے نکلے تو سب کے سامنے حرم میں آ کر دو رکعت نماز پڑھی اور اعلان کیا کہ میں ہجرت کر کے جا رہا ہوں اور جس کا ارادہ ہو کہ اس کی ماں اسے روئے وہ آ جائے اور میرا راستہ روک لے! یہ الفاظ کہہ کر ڈنکے کی چوٹ ہجرت کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ تو رسالت کا جو اصل منصب ہے یعنی دین کو قائم کرنے کی سعی و جدوجہد' اس میں یہ لوگ زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں اور آگے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت غزوۂ بدر میں ظاہر ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سننے میں نہیں آئے گا کہ کسی کے ساتھ اس طرح کا دو بدو مقابلہ ہوا ہو' اگرچہ وہ بات تو آتی ہے کہ آپؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ نے اسلام لانے کے بعد جب یہ کہا کہ ابا جان! آپ غزوۂ بدر میں میری زد میں آ گئے تھے' لیکن میں نے آپ کی رعایت کی' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیٹے! تم نے یہ اس لئے کیا کہ تم باطل کے لئے جنگ کر رہے تھے' خدا کی قسم! اگر کہیں تم میری زد میں آ گئے ہوتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔ صدیقیت کا مقام نبوت سے قریب تر ہوتا ہے۔ چنانچہ جو مقام و مرتبہ حضور ﷺ کا ہے اس سے بالکل ملحق مقام و مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس طرح اب سورۃ النساء کی آیت ۶۹ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۞﴾ آپ کے سامنے پورے طور پر واضح ہو گئی۔

البتہ اس ضمن میں دو باتیں ابھی اور سمجھ لیجئے! ایک یہ کہ میں نے dotted line کے ساتھ جو نسبت ظاہر کی ہے وہ ہے ''صِدِّیقًا نَّبِیًّا'' اور ''رَسُوْلًا نَّبِیًّا''۔ قرآن حکیم میں مختلف رسولوں کے لئے یہ دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ انبیاء و رُسل کے انتخاب کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۞﴾ (آل عمران:۳۳) ''اللہ نے (اپنی رسالت کے لئے) پسند فرمالیا' آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آل ابراہیمؑ کو اور آل عمران کو' تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر''۔ رسالت اور نبوت کے لئے یہ انتخاب ظاہر ہے کہ انسانوں میں سے ہی ہوا ہے۔ اور انسانوں میں اس نے عام طور پر یہ دو مزاج بنائے ہیں' ایک وہ مزاج جس کی مناسبت صدیقیت کے ساتھ ہے اور دوسرے وہ مزاج جس کی مناسبت شہادت کے ساتھ ہے۔ تو حضرت ابراہیم اور ادریس (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں کے بارے میں قرآن مجید میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۞﴾ (مریم:۴۱ و ۵۶) اور یہ نسبت مَیں نبوت کی طرف قائم کر رہا ہوں' رسالت کی طرف نہیں۔ رسول کی دعوت کے قبول کرنے میں صدیقین اور شہداء میں فرق ہوگا۔ داعی کی حیثیت سے تو رسول سامنے آئے گا' لیکن داعی کا معاملہ رسالت کے ساتھ متعلق ہے۔ اور رسول کی دعوت کے ردِّعمل کے اعتبار سے فرق یہ ہوگا کہ صدیق کو قبول کرنے میں دیر لگے گی ہی نہیں' وہ تو جیسے پہلے ہی سے منتظر تھے۔ جبکہ شہداء کو وقت لگے گا' دیر لگے گی۔ اس لئے کہ ان کی توجہ ہی ادھر نہیں ہے —— لیکن یہ کہ صدیقیت اور شہادت کی نبوت کے ساتھ نسبت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن انسانوں کو شرفِ نبوت کے لئے چنا ہے تو ظاہر بات ہے یا تو وہ صدیقی مزاج کے حامل تھے یا شہیدی مزاج کے حامل تھے۔ تو دوسروں کو کہا گیا ﴿رَسُوْلًا نَّبِیًّا﴾ (مریم:۵۱ و ۵۴) کیونکہ شہادت کی نسبت رسالت کے ساتھ زیادہ ہے۔ اسی لئے ڈائیگرام میں ''رَسُوْلًا نَّبِیًّا'' والی dotted line رسالت تک پہنچائی گئی ہے۔ اور پھر رسالت سے آگے نبوت کا مرتبہ ہے۔ گویا شہیدی مزاج کے حامل مرتبۂ رسالت سے ہو کر مرتبۂ نبوت پر فائز ہوئے' جبکہ

صدیقین براہِ راست نبوت سے سرفراز کیے گئے۔

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ جو بھی اوپر والے درجے پر فائز ہے اس میں نیچے والے کے تمام اوصاف بتمام وکمال لازماً موجود ہیں۔ صدیق کا اپنا مزاج تو وہ ہے جو میں بیان کر چکا ہوں' لیکن عزم وارادہ کے اعتبار سے اس کے اندر شہداء والی پوری شخصیت بھی موجود ہے۔ اس کا ظہور حضرت ابوبکر ؓ کے دورِ خلافت میں ہوا ہے۔ ورنہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ تک حضرت ابوبکر ؓ کا جو مزاج سامنے تھا اس کے اعتبار سے آپ نہایت رقیق القلب اور نحیف الجثہ انسان تھے۔ وہ اس طرح کے انسان محسوس ہوتے ہی نہیں تھے جیسے بعد میں ظاہر ہوئے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر خلافت کی ذمہ داری کا بوجھ آیا تو حالات نہایت critical اور مخدوش تھے۔ اتنی بڑی بغاوت برپا ہوگئی تھی کہ دارالاسلام دو شہروں تک محدود ہو گیا تھا۔ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ کی کیفیت تھی۔ متعدد مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے تھے اور لاکھوں آدمی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ لاکھوں آدمی تھے۔ جنگ یمامہ میں کئی سو حفاظ شہید ہو گئے تھے۔ تبھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شویش ہوئی کہ اگر اسی طرح حفاظ صحابہ کرام شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن مجید گم نہ ہو جائے' لہٰذا اسے کتابی شکل میں مرتب کر لینا چاہئے۔ دوسری طرف مانعین زکوٰۃ کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر revolution کے بعد جو ایک counter revolution کا مرحلہ آیا کرتا ہے وہ انقلابِ محمدیؐ کے بعد بھی آیا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں انقلاب کی تکمیل ہوگئی۔ انقلاب کی تکمیل کے مرحلے پر مخالف قوتیں جب دیکھتی ہیں کہ اب ہم بے بس ہو چکے ہیں تو پھر وہ دبک جایا کرتی ہیں اور منتظر رہتی ہیں کہ پھر کوئی موقع آئے گا تو ہم کوئی اقدام کریں گے۔ چنانچہ باطل قوتیں اُس وقت دبک گئیں۔ اس کے بعد جیسے ہی حضور ﷺ کا انتقال ہوا تو ان باطل قوتوں نے یک دم سر اُٹھایا۔ اُس وقت مسلمان صدمے اور غم سے نڈھال تھے اور ان کا

مورال کچھ نہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ اس وقت یکا یک فتنوں نے سر اٹھایا۔ ایک طرف مانعین زکوٰۃ کھڑے ہو گئے' دوسری طرف مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلامی ریاست تو یوں سمجھئے تقریباً مکہ اور مدینہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ اسلامی ریاست کو reclaim کیا ہے اور یہ کام فولادی عزم اور کوہ ہمالیہ جیسی عزیمت کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مشورہ دے رہے ہیں کہ ذرا مصلحت کو پیش نظر رکھئے۔ آپ یہ جو پے بہ پے محاذ کھولتے جا رہے ہیں یہ قرین مصلحت نہیں۔ آپؓ نے جیشِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں روکا۔ لوگوں نے کہا کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے' اب یہ لشکر نہ بھیجا جائے۔ لیکن آپؓ نے فرمایا: جس لشکر کی تیاری محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ہو مَیں اس کو کیسے روک دوں؟ چنانچہ جیشِ اسامہؓ روانہ کر دیا گیا۔ دوسری طرف جو مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے ان کا ارتداد تو بالکل الم نشرح تھا' لہٰذا ان کے خلاف تو جنگ کرنی ہی تھی' اس میں تو کسی مشاورت کی ضرورت ہی نہیں تھی' لہٰذا اس کا محاذ بھی کھول دیا گیا۔

اس کے بعد جب مانعین زکوٰۃ کا مسئلہ سامنے آیا کہ نہ تو انہوں نے کسی نئی نبوت کا اقرار کیا اور نہ ارکانِ اسلام کا انکار کر رہے تھے۔ وہ نماز کا انکار بھی نہیں کر رہے تھے اور زکوٰۃ کا بھی انکار نہیں کر رہے تھے' بلکہ صرف یہ کہہ رہے تھے کہ ہم اپنی زکوٰۃ حکومت کو نہیں دیں گے' ہم اسے اپنے طور پر تقسیم کریں گے جس طرح چاہیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ آپ ان کے معاملے میں کچھ نرمی برتیں' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس وقت اُن کو بھی ڈانٹ پلائی کہ عمر! تم دورِ جاہلیت میں تو بہت سخت تھے' اسلام میں آ کر نرم ہو گئے ہو؟ خدا کی قسم! اگر یہ حضور ﷺ کے زمانے میں زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ اُن کو باندھنے والی رسیاں بھی دیتے تھے تو اب اگر یہ اونٹ دینے کو تیار ہوں اور رسیاں دینے سے انکار کریں تب بھی مَیں ان سے جنگ کروں گا۔ اَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ؟ ''کیا دین کے اندر ترمیم ہو جائے گی جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟'' تو یہ عزیمت ہے۔ اور پھر یہ کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے ان کے ار... لولے

اور حوصلے کا نتیجہ بھی ظاہر کر دیا۔ آپؓ کا زمانۂ خلافت پورے اڑھائی برس بھی نہیں' بلکہ دو سال چار ماہ ہے۔ اس قلیل عرصے میں ان تمام انقلاب مخالف قوتوں (counter revolutionary movements) کو ختم کیا اور میدان بالکل صاف کر کے حضرت عمرؓ کے حوالے کیا۔ اب چونکہ اندرونِ عرب تو ہر طرح کے فتنوں کا قلع قمع ہو چکا تھا' لہٰذا دورِ فاروقی میں صحابہ کرامؓ کی فوجیں مشرق' مغرب اور شمال کی طرف نکلیں اور دس برس کے اندر اندر کرۂ ارضی کا بہت بڑا حصہ پرچم اسلام کے زیرنگیں آ گیا۔ تو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو بھی بالاتر طبقہ ہے اس کے اندر نیچے والے طبقے کے سارے اوصاف موجود ہوتے ہیں' اگرچہ dormant رہتے ہوں۔ وہ ظاہر تب ہی ہوں گے جب ایسا کوئی مرحلہ آئے گا' جب کوئی محاذ درپیش ہوگا۔ تو ان حقائق کو اگر آپ سامنے رکھیں تو نبوت و رسالت' صدیقیت' شہادت اور صالحیت کی درجہ بندی سمجھ میں آ سکے گی۔

جہاں تک بعض صوفیاء کے اس قول کا تعلق ہے کہ نسبت ولایت افضل ہے نسبت نبوت سے' اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی اور رسول یعنی جس شخصیت میں نبوت اور رسالت دونوں نسبتیں جمع ہیں اس کی نسبتِ نبوت نسبتِ رسالت سے افضل ہے۔ اب نسبت نبوت کو اصل مناسبت نسبت ولایت کے ساتھ ہے اور نسبت رسالت کو اصل مناسبت نسبت شہادت کے ساتھ ہے۔ تو نبی کی جو ولایت ہے وہ نبی کی رسالت سے افضل ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ تصور کہ کوئی ولی جو غیر نبی ہے وہ کسی نبی سے افضل ہو سکتا ہے' یہ ایک غلط اور باطل تصور ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

سورۃ الحدید کی زیر مطالعہ آیت نمبر ۱۹ کا کچھ حصہ رہ گیا تھا' اسے ہم مکمل کر لیتے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۚ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ﴾ ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' یہاں ''اَلشُّهَدَآءُ'' کے بعد آیا ہے۔ یہ صرف ''اَلشُّهَدَآءُ'' کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ''اَلصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ'' کے لئے بھی۔ ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ''اللہ کے نزدیک'' یا ''اللہ کے پاس''۔

چنانچہ پہلا ترجمہ ہوگا ''وہ اپنے ربّ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں''۔ جیسے ہم کہتے ہیں: میرے نزدیک اس کا مقام یہ ہے۔ تو یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے نزدیک مراتب صدیقیت اور مراتب شہادت پر فائز ہوں گے۔ اس طرح ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کا اطلاق دونوں پر ہوگا۔ لیکن میرے نزدیک دوسری بات زیادہ صحیح ہے کہ ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کا اطلاق صرف ''اَلشُّهَدَآءُ'' پر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ گواہی اصل میں اللہ کے ہاں جا کر دینی ہے' جیسا کہ میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔ دنیا میں جب کوئی اللہ کا بندہ دعوت دیتا ہے اور دعوت اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ اتمامِ حجت ہو جائے تو اب وہی ہو گا جو اللہ کی عدالت میں گواہِ استغاثہ کی حیثیت سے کھڑا ہوگا اور سب سے پہلے وہ testify کرے گا کہ پروردگار! تیرا پیغام جو میرے پاس آیا تھا میں نے ان تک پہنچا دیا تھا۔ تو ''اَلشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ عدالتِ خداوندی میں' عدالتِ اُخروی میں' اللہ کے ہاں محاسبۂ اُخروی کے وقت گواہ ہوں گے' اللہ کی طرف سے حجت قائم کرنے والے ہوں گے۔ اسے ہمارے ہاں کی عدالتی زبان میں گواہِ استغاثہ یا سرکاری گواہ (prosecution witness) کہتے ہیں۔ استغاثہ کے وکلاء بھی ہوتے ہیں' انسپکٹرز بھی ہوتے ہیں اور گواہ بھی۔ فوجداری مقدمات میں کوئی ملزم جب عدالت میں پیش ہوتا ہے تو پہلے اس پر فردِ جرم عائد کی جاتی ہے اور یہ چارج شیٹ اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہے' اس لئے کہ اس نے ریاست کے قانون کو توڑا ہے۔ تو اس حوالے سے اللہ کے ہاں اِن ''شہداء'' کی حیثیت استغاثہ کے گواہ کی ہوگی۔ انبیاء ورُسل وہاں پر شہادت دینے کے لئے کھڑے ہوں گے۔

اب دیکھئے' صدیقیت تو شہادت سے بلند تر رتبہ ہے' لہٰذا کیسے ممکن ہے کہ جو صدیق ہے وہ دعوت نہیں دے گا! چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ کی دعوت پر عشرۂ مبشرہ میں سے چھ حضرات ایمان لائے ہیں۔ تو اوپر والے میں نیچے والے کے سارے اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ تو اس اعتبار سے اس آیت کا ایک ایک لفظ اُجاگر ہو کر ہمارے سامنے آ گیا ہے اور ہم نے دیکھا کہ یہاں کوئی لفظ بھی ایسے ہی نہیں آ گیا۔

قرآن حکیم میں برائے بیت یا برائے وزن کوئی شے نہیں ہے۔ ہر شے نہایت معنی خیز ہے اور اپنی جگہ پر ہیرے کی طرح جڑی ہوئی ہے۔ ہر حرف اپنی جگہ پر اس کے حسن معنوی کے اندر اضافہ کر رہا ہے۔

صدیقیت اور شہادت کے ضمن میں ایک بات مزید عرض کر رہا ہوں کہ اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صدیقین میں سے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہداء میں سے ہیں' لیکن جب ہم مراتب شمار کرتے ہیں تو حضرت ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ ہیں اور پھر عثمانؓ ہیں۔ اس طرح ذہنوں میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے' تو اس کو بھی سمجھ لیجئے کہ اپنی جگہ پر تو صدیقیت بلند تر مقام ہے مرتبہ شہادت سے' لیکن کمیت (quantity) کا مسئلہ اور ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ سونا چاندی کی نسبت زیادہ قیمتی دھات ہے' لیکن فرض کیجئے سونا چند تولے ہے اور چاندی منوں کے حساب سے رکھی ہوئی ہے تو ظاہر بات ہے منوں چاندی قیمت کے اعتبار سے چند تولے سونے سے بڑھ جائے گی' اگرچہ اپنی جگہ پر یہی کہا جائے گا کہ سونا' چاندی سے قیمتی ہے۔ یہ تمثیل بھی اس حدیث پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ)) یعنی ''انسانوں کا معاملہ بھی معدنیات کی طرح ہے''۔ کوئی معدنیات زیادہ قیمتی اور کوئی کم قیمتی ہوتی ہیں۔ ایک روایت میں آگے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ((كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ)) ''جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں''۔ سونا' چاندی' تانبا اور لوہا سب معدنیات ہی ہیں' لیکن ان کی اپنی اپنی حیثیت ہے۔ فرمایا: ((خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوْا)) (متفق علیہ) ''ان میں سے جو لوگ (اسلام سے قبل) جاہلیت میں بہتر تھے وہی پھر اسلام لا کر بھی بہتر ہوئے' جب انہوں نے دین کی سمجھ حاصل کر لی''۔

یوں سمجھئے کہ سونا جب آپ زمین سے نکالتے ہیں تو یہ کچ دھات (ore) کی صورت میں ہوتا ہے' اس میں کچھ کثافتیں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسے صاف کرتے ہیں تو وہ سونا بن جاتا ہے۔ اسی طرح چاندی کی ore ہے' اس کے اندر بھی impurities

ہیں' صاف کریں گے تو وہ چاندی بنے گی۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ چاندی کی کچ دھات کو صاف کریں تو وہ سونا بن جائے۔ چاندی کی ore سے تو چاندی ہی وجود میں آئے گی۔ اسے آپ جتنا زیادہ صاف کریں گے اسی قدر خالص چاندی آپ کو مل جائے گی۔ اسی طرح سونے کی ore ہے تو خوب صاف کرنے سے آپ کو بہت عمدہ زرِ خالص عیار مل جائے گا۔ لیکن جب مقدار کا پہلو آجائے گا تو چاندی کی زیادہ مقدار سونے کی قلیل مقدار سے زیادہ قیمتی ثابت ہوسکتی ہے۔ یہی معاملہ صدیقیت اور شہادت کا ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ اپنی جگہ پر مزاجاً شہید تھے' لیکن پھر اس کے اندر انہوں نے جو مقام حاصل کیا ہے اس quantitative عنصر کے اعتبار سے ان کا رتبہ بحیثیت مجموعی صحابہؓ کی جماعت کے اندر تمام صدیقین سے بڑھ گیا' سوائے صدیق اکبر ؓ کے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے افضل ترین ہونے میں کوئی شک نہیں' افضلُ البشرِ بعدَ الانبیاء بالتحقیق ابوبکرِ الصِّدِّیق' دوسرے نمبر پر حضرت عمر فاروق ؓ' تیسرے نمبر پر حضرت عثمان ؓ اور چوتھے نمبر پر حضرت علی ؓ ہیں۔ اگرچہ جہاں تک مزاج کا تعلق ہے حضرت علیؓ مزاجاً حضور ﷺ کے مزاج سے قریب ترین ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ambiverts بہت شاذ ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ میں آپ دیکھئے ایک طرف ادب ہے' فصاحت و بلاغت ہے' چوٹی کے شاعر ہیں اور آپؓ نے عربی گرامر کے اصول و قواعد معین کئے ہیں۔ ''نہج البلاغۃ'' میں آپؓ کے خطبات دیکھئے کہ فصاحت و بلاغت کا کیا عالم ہے! اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں بہت سی چیزیں جھوٹی بھی شامل کر دی گئی ہیں' لیکن حضرت علیؓ کی فصاحت و بلاغت اور علم سے کون انکار کرسکتا ہے؟ آپؓ کا شمار چوٹی کے فقہاء صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ دوسری طرف آپؓ مردِ میدان ہیں' تلوار کے دھنی ہیں۔ غزوۂ احزاب میں جب عمرو بن عبدوُدّ نے آگے بڑھ کر چیلنج کیا تو وہاں کسی کو اُس کے مقابل جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ ۱۰۰ آدمیوں کے برابر قوت رکھنے والا شخص ہے۔ حالانکہ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا' لیکن اتنا جری اور قوی ہیکل شخص تھا کہ اس کی شجاعت

اور شہ زوری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت علیؓ میدان میں آئے تو کہنے لگا اگر کوئی آخری خواہش ہے تو بیان کرو! حضرت علیؓ نے پہلے یہ خواہش ظاہر کی کہ مسلمان ہو جاؤ' جب اس نے اسے ردّ کر دیا تو دوسری خواہش یہ بیان کی کہ جنگ کے میدان سے واپس چلے جاؤ اور جب اس نے اسے بھی رڈ کر دیا تو کہا کہ میری آخری خواہش یہ ہے کہ یا تو تم میرے ہاتھوں جہنم پہنچو یا تم مجھے جنت میں پہنچا دو! اس پر وہ ہنسا کہ میں نے آج تک اپنی پوری زندگی میں کسی شخص کو نہیں دیکھا جو مجھے مقابلے کی دعوت دے رہا ہو۔ پھر وہ مشتعل ہو کر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ حضرت علیؓ نے دست بدست جنگ میں اسے جہنم رسید کر دیا۔ پھر حضرت علیؓ فاتح خیبر ہیں۔ خیبر کا قلعہ کسی کے ہاتھوں فتح نہیں ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا: میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور رسولؐ محبت کرتے ہیں۔ صبح آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور آپؓ کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔ تو یہ جو توازن اور combination ہے کہ ایک طرف شجاعت و بہاری اور دوسری طرف فصاحت و بلاغت' ادبیت' شاعری' اس اعتبار سے حضرت علیؓ صحابہ کرامؓ میں چوٹی کے آدمی ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک صحابہ کرام میں جامعیت کبریٰ حضرت علیؓ کو حاصل ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

لیکن جب ہم صحابہ کرامؓ کے اندر درجہ بندی کریں گے' تو جیسا کہ میں نے اس سے پہلے ایک موقع پر عرض کیا تھا' حضرت علیؓ کا شمار صف دوم میں ہو گا۔ اس لئے کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ تو لگ بھگ رسول اللہ ﷺ کے ہم عمر قسم کے لوگ تھے' آپؐ کے اعوان و انصار تھے' جبکہ حضرت علیؓ تو گویا حضور ﷺ کی گود میں پروان چڑھے ہیں' وہ آپ ﷺ کے گھر میں پلے بڑھے ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر واضح ہے کہ تربیتِ محمدیؐ کا شاہکار تو یقیناً حضرت علیؓ ہیں' اس لئے کہ جس قدر صحبت کا فیض اٹھانے اور حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت سے حصہ حاصل کرنے کا موقع حضرت علیؓ کو ملا کسی اور کے لئے اس کا امکان ہی نہیں ہے۔ لیکن وہ جو حضور ﷺ

کے ساتھی تھے' جو اعوان و انصار اور دست و بازو تھے' جو آپؐ کے ہم عمر اور آس پاس تھے ان کی صف ہی علیحدہ ہے' حضرت علیؓ اس میں جگہ نہیں پاتے۔ اس اعتبار سے جو لوگ ان کے درمیان تقابل کرنے کی کوشش کرتے ہیں میرے نزدیک وہ قیاس مع الفارق کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دو چیزوں میں تقابل اور موازنہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں نوعیت ایک ہو۔ اگر نوعیت مختلف ہو تو اُن میں موازنہ کیا ہوگا؟ البتہ مزاج کے اعتبار سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں حضرت علی ؓ رسول اللہ ﷺ سے قریب ترین ہیں۔

دنیا کی کامل ترین متوازن شخصیت (بالفاظ دیگر ambivert) تو صرف حضور ﷺ کی ہے کہ ایک طرف قوائے ذہنی و فکری بھی انتہا پر ہیں اور دوسری طرف قوائے عملی بھی انتہا پر ہیں۔ ان دونوں کا امتزاج اگر بتمام و کمال ہوا ہے تو وہ خود محمد عربی ﷺ ہیں۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب ''The 100'' میں اس کے ہم وزن بات لکھی ہے۔ دیکھئے' اس شخص نے جب یہ کتاب مرتب کرنے کا فیصلہ کیا تو گویا یہ فیصلہ کیا کہ میں نسل انسانی کے پہلے سو (۱۰۰) عظیم ترین انسانوں کا انتخاب کروں گا جنہوں نے تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑا اور اس کے رُخ کو معین کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا' پھر میں ان میں درجہ بندی کروں گا کہ اِن سو میں بلند ترین مقام پر کون ہے جس نے سب سے زیادہ فیصلہ کن انداز میں تاریخ کے دھارے پر اپنا اثر ڈالا ہے اور اس کے رُخ کو موڑا ہے۔ پھر اس اعتبار سے دوسرے اور تیسرے نمبر پر کون آئے گا! ظاہر ہے کہ اس کے لئے اس نے تاریخ انسانی کا گہرا مطالعہ کیا ہوگا اور خوب سوچ بچار کیا ہوگا۔ اس کے بعد وہ کتاب مرتب کرنے بیٹھا ہے تو نمبر ایک پر لایا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ آج تک بھی عیسائی ہے۔ نہ تو ابھی اس کے مرنے کی خبر آئی ہے نہ اسلام لانے کی خبر آئی ہے۔ اس کی یہ کتاب دنیا میں بہت عام ہوئی ہے' لیکن اشاعت کے بعد وہ بہت جلد نایاب ہو گئی تھی اور عام خیال یہ تھا کہ شاید کسی سازش کے تحت اسے غائب کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس کتاب میں حضرت مسیحؑ کو نمبر

تین پر رکھا اور حضور ﷺ کو نمبر ایک پر لایا' اور یہ بات عیسائی دنیا کے لئے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں تھی۔ اس نے لکھا ہے:

"My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."

ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کے نزدیک انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ میدان ہیں۔ ایک ہے مذہب' اخلاق اور روحانیت کا میدان' جبکہ ایک ہے تمدن' تہذیب' سیاست اور معاشرت کا میدان' اور ان دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب (Supremely successful) انسان ایک ہی ہے اور وہ ہیں محمد ﷺ۔ وہی بات میں کہہ رہا ہوں۔ یہ جو introverts اور extroverts کے درمیان ایک ایسی جامع شخصیت جو سرفہرست ہے وہ نبی اکرم ﷺ ہیں' اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں پھر اس اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزاج آپؐ سے بہت قریب تر ہے۔

صدیقین اور شہداء کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ ''ان کے لئے ان کا اجر اور اُن کا نور محفوظ ہے''۔ اس سورۂ مبارکہ میں لفظ نور بہت کثرت کے ساتھ بار بار آ رہا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ فرمایا کہ قرآن مجید انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر نور میں لاتا ہے۔ یہ آیاتِ بینات پر مشتمل ہے۔ پھر یہ کہ نور ایمان قیامت کے دن ظاہر ہوگا اور منافقین اس سے محروم اور تہی دست ہوں گے۔ اہل ایمان کا نو اُن کے سامنے اور اُن کے داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔ میرے نزدیک اس کی سادہ تر توجیہہ یہ ہے کہ جو دل کا نور ہوگا اس کا ظہور سامنے کی طرف ہو رہا ہوگا اور اعمالِ صالحہ نور دائیں طرف ہوگا۔ اس لئے کہ اعمالِ صالحہ کا کا سب دایاں ہاتھ ہے۔ لہٰذا انسان کسی کو کچھ دیتا ہے تو داہنے ہاتھ سے دیتا ہے۔ سارے اچھے کام ہم داہنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ تو اعمال کا نور داہنی طرف اور ایمان کا نور سامنے کی طرف ہوگا۔ تو وہاں بھی نور کا تذکرہ آیا۔ یہاں بھی فرمایا: ﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ یہ لام تملیک بھی۔

اور لامِ استحقاق بھی۔ میں نے ترجمہ میں لفظ ''محفوظ'' کا اضافہ کیا ہے ''ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور محفوظ ہے''۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجرِ عظیم بھی ہے اور ان کے لئے ان کا نور بھی محفوظ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو کفر کریں اور ہماری آیات کی تکذیب کریں وہی دوزخ والے ہیں''۔ میں ان دونوں الفاظ (کفر اور تکذیب) کی یہاں وضاحت کرتا چلوں کہ یہ جو الفاظ آئے ہیں یہ ایسے ہی نہیں آئے جیسے ہم صرف اضافے کے لئے الفاظ لاتے ہیں' جیسے گورا چٹا' بلکہ ان کی معنویت ہے۔ کفر کا حقیقی اور لغوی مفہوم ہے چھپا دینا۔ اسی سے لفظ ''کفارہ'' ہے۔ آپ سے کوئی گناہ' کوئی غلطی ہوگئی تو اب اس کا کفارہ ہوگا کہ جو اُس کے اثر کو زائل کر دے گا۔ آپ کفارہ ادا کر دیں گے تو وہ گناہ گویا آپ کے نامۂ اعمال سے حذف کر دیا جائے گا' یا دھو دیا جائے گا' چھپا دیا جائے گا۔ تو اس کفر کے لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور یہ لفظ شکر کے مقابلے میں کیوں آتا ہے؟ سلیم الفطرت انسان کے ساتھ جب بھی کوئی احسان کرتا ہے' حسن سلوک کرتا ہے' اس کی کوئی خدمت کرتا ہے' اسے کوئی قیمتی شے دیتا ہے تو اس کے قلب کی گہرائیوں میں احسان مندی کے جذبات اُبھرتے ہیں جو زبان پر آ کر شکریئے کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ لیکن ایک بدطینت ناشکرے انسان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ محسن و منعم کا شکر ادا کرے' وہ ان جذباتِ تشکر کو دباتا ہے۔ یہی معاملہ ایمان اور کفر کا ہے۔ اس لئے کہ ایمان تو درحقیقت اس روحِ ربانی کے اندر موجود ہے جو ہمارے وجود میں پھونکی گئی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ تو درحقیقت ''نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ'' کے مصداق نورِ فطرت اور نورِ وحی کے جمع ہونے سے ایمان وجود میں آتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہوتی ہے' فطرت کے سوتے خشک ہو چکے ہوتے ہیں' لیکن جس شخص کے اندر ذرا سی بھی فطرت کی سلامتی باقی ہے اس کے سامنے جیسے ہی نبی کی دعوت آتی ہے تو اس کے اندر سے اس کی تصدیق ابھرتی ہے کہ ہاں یہ بات صحیح ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ ہی میرے دل میں تھا!

لیکن فرض کیجئے کہ کوئی تعصب اور عصبیت ہے' کوئی ضد اور تکبر ہے' کوئی حسد ہے' تو فطرت کی اس آواز کو دبایا جائے گا۔ یہود کے علماء نے حضور ﷺ کا جو انکار کیا تو اس کی وجہ قرآن نے یہ بیان کی: ﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ کہ یہ اپنے اندر کے حسد کی وجہ سے یہ سب کچھ کر رہے ہیں' ورنہ یہ کہ ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ''یہ تو محمد (ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''۔ تو اگر پہچان بھی لیا' دل نے گواہی بھی دے دی' لیکن اس کے باوجود کوئی انکار کر رہا ہے' تو درحقیقت یہ دو مرحلے ہیں۔ ایک اپنے اندر کی تصدیق کو دبانا' بجائے اس کے کہ اسے ظاہر ہونے دیں' اور دوسرے زبان سے تکذیب کرنا' جھٹلانا۔ یہ گویا کہ دو مظاہر (phenomenons) ہیں کہ ان دونوں کو ملا کر بات مکمل ہوتی ہے۔ باطن میں سے اُبھرنے والی تصدیق کو دبا دینا کفر ہے' جس کے لئے یہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور پھر نبیؐ کی دعوت کو جھٹلانا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں' یہ تکذیب ہے اور یہ گویا جرم بالائے جرم ہے' ظُلُمَاتٌ بَّعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مصداق ہے۔ تو فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ وہ لوگ کہ جو کفر کرتے ہیں' اندر کی حقیقتوں کو' اپنے باطن اور روح کی گواہیوں کو اور شہادتوں کو دباتے اور چھپاتے ہیں اور جب ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کی تکذیب کرتے ہیں' انہیں جھٹلاتے ہیں۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ ''یہی تو جہنم والے ہیں''۔ یہ جہنم میں داخل ہو کر رہیں گے۔

مضامین کے اعتبار سے ہم نے سورۃ الحدید کی آیات کو سات حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ آیت ۱۹ پر اِس کا چوتھا حصہ ختم ہو رہا ہے۔ یہ حصہ اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ میں نے اِس کی وضاحت کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات میں بہت سے اشکال پیدا کر دیئے ہیں' چنانچہ آپ مختلف تفاسیر دیکھیں گے تو

معلوم ہوگا کہ ہمارے مفسرین کس طرح مختلف بحثوں میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ صرف دو چیزوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ آیت ۱۸ اور ۱۹ کے درمیان جو ربط ہے وہ لفظی طور پر موجود نہیں ہے' لہٰذا ''اَلْقُرآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا'' کے مصداق یہاں سورۃ البلد سے استشہاد کر کے ''ثُمَّ'' محذوف ماننا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ شہید کا ایک ہی تصور ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے اور وہ یہ کہ جو بھی اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ حالانکہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ لفظ قرآن میں اس معنی میں نہیں آتا۔ صرف ایک مقام سورۂ آل عمران کا ہے جہاں یہ معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ وہاں پر بھی دوسرا مفہوم مراد ہو سکتا ہے' لیکن مقتول فی سبیل اللہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ البتہ حدیث میں یہ لفظ اس معنی میں آیا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کچھ تصورات کا غلبہ اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ اصل حقیقت اس کے پیچھے محجوب ہو جاتی ہے اور اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔

بارك اللّٰه لی ولكم فی القرآن العظيم ونفعنی واياكم بالآيات والذكر الحكيم

قارئین توجہ فرمائیں

ماہنامہ میثاق' حکمت قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت کا سالانہ زرتعاون ختم ہونے پر یاددہانی کے نظام میں تھوڑی سی تبدیلی عمل میں لائی جا رہی ہے۔ آئندہ آپ کو سالانہ خریداری کے 11 ویں مہینے یاددہانی کا کارڈ ارسال کیا جائے گا۔ 12 ویں ماہ کے پرچے کے ٹائٹل پر ایک یاددہانی کا سٹکر لگایا جائے گا۔ اس کے بعد (زرتعاون موصول نہ ہونے کی صورت میں) پرچہ بند متصور کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ پرچہ بذریعہ VPP صرف اس صورت میں بھیجا جائے گا جب آپ کی طرف سے اس کی ہدایت موصول ہو جائے۔ زرتعاون یا کوئی اطلاع موصول نہ ہونے کی صورت میں از خود VPP نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ VPP پر اخراجات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں اور نہ چھڑانے کی صورت میں ادارے کو خاصا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ امید ہے قارئین اس سلسلے میں بھرپور تعاون فرمائیں گے۔

بقیہ: حرفِ اوّل

بڑھایا جائے' دلائل کے ذریعے مؤکد کیا جائے اور آج کی زبان اور اصطلاحات میں پیش کیا جائے تاکہ بالآخر احیاءِ اسلام کی راہ ہموار ہو سکے۔ مجوزہ شعبۂ تحقیق اسلامی کے سامنے جو مقاصد ہیں ان میں یہ کام بھی انتہائی اہمیت کا ہے۔

اسلام کے اس انقلابی فکر کی جہاں مدح وستائش اور قبولیت ہوئی وہیں اسے مختلف انداز میں مخالفت اور تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ اس مخالفت اور تنقید میں ظاہر ہے کہ وہ حملے تو سرے سے قابلِ التفات نہیں ہیں جو اس فکر کو ایک potential danger سمجھتے ہوئے کبھی سرکاری اور کبھی غیر یا نیم سرکاری حلقوں کی جانب سے کئے گئے ہیں۔ البتہ بعض حلقوں کی طرف سے ایسی تنقیدیں اور اشکالات بھی پیش کئے گئے ہیں جو بظاہر علمی نوعیت کے ہیں' یا جن میں اعتراض کرنے والوں کا انداز ناصحانہ اور مخلصانہ ہے۔ ایسے اشکالات اور تنقیدوں کا علمی محاکمہ اور انکا جواب دینا اس انقلابی تحریک کی بہر حال ضرورت ہے۔ یہ شعبہ ان شاء اللہ اس مقصد کے حصول کے لئے بھی کام کرے گا۔

(۳) دینی وتحریکی آگاہی:

متذکرہ بالا احیائی وانقلابی فکر سے متاثر ہونے والے افراد میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو سوچنے سمجھنے والے بھی ہیں اور دنیوی اعتبار سے تعلیمیافتہ بھی۔ ایسے لوگوں کا ذہن متجسانہ (inquisitive) ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انکے ذہنوں میں اُٹھنے والے سوالات اور اشکالات کا مدلل اور منطقی انداز میں جواب دیا جائے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے۔ انکی معاش' معاشرت' اخلاق' اور ترجیحات کو آج کے انتہائی مشکل دور میں کیسا ہونا چاہئے؟ دین کی دعوت کے کیا آداب ہیں؟ جماعتی زندگی کی کیا اہمیت ہے؟ تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس جیسے دوسرے سوالات اس قسم کے افراد کی حقیقی ضرورت ہیں' جسے پورا کرنا اس انقلابی فکر کے حاملین کے ذمہ ہے۔ یہ شعبہ ان شاء اللہ ایسا نظام وضع کرے گا جسکے ذریعے علمی وعملی دونوں سطحوں پر دینی' تحریکی' فقہی اور دوسرے سوالات کے جواب دیئے جاسکیں۔

مصارفِ زکوٰۃ میں سے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا مفہوم

تحریر: پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

گزشتہ شمارے میں ''مصارفِ زکوٰۃ اور عصر حاضر میں مصالح اُمتِ محمدیؐ'' کے عنوان سے انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کا مضمون شائع کیا گیا تھا' جس میں اس مسئلے پر علماء کرام اور مفتیانِ عظام کو دعوتِ فکر دی گئی تھی اور آج کے حالات میں ان سے رہنمائی کی درخواست کی گئی تھی۔ اس مضمون کے مندرجات کے پیش نظر اسے ''بحث ونظر'' کے مستقل عنوان کے تحت شائع کیا گیا تھا۔ اس عنوان کے تحت ان مضامین کو شائع کیا جاتا ہے جو کسی اہم دینی وعلمی موضوع پر ایک مخصوص نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں' جن سے ادارے کا کلی اتفاق ضروری نہیں ہوتا ـــــ ایسے مضامین کی اشاعت سے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ موضوع زیر بحث پر اہل علم ودانش ہر پہلو سے غور کرتے ہوئے اپنے تبصرے بھی ارسال کریں اور نفس مضمون کے حوالے سے اپنے غور وفکر کا ماحصل بھی پیش کریں' تاکہ زیر بحث موضوع کے تمام گوشے اپنے ''مالہٗ اور ما علیہ'' کے ساتھ قارئین کے سامنے آئیں۔ چنانچہ محترم فاروقی صاحب کے مذکورہ مضمون کے بعض مندرجات سے اختلاف کے باوصف ہم نے اسے حکمت قرآن میں شائع کرنا مفید مطلب خیال کیا۔ اب ہمیں اہل علم کی جانب سے اس پر آراء اور تبصروں کا شدت کے ساتھ انتظار ہے۔ اس مضمون پر شائستہ اور علمی انداز میں کی جانے والی ہر تنقید کا ہم خیر مقدم کریں گے اور فکر انگیز تحریروں کو حکمت قرآن میں شائع بھی کیا جائے گا۔

مصارف زکوٰۃ کے حوالے سے ہی حکمت قرآن کے ادارۂ تحریر کے معزز رکن حافظ نذیر احمد ہاشمی صاحب نے ہماری فرمائش پر ایک مبسوط مقالہ قلمبند کیا ہے جسے ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ اس موضوع پر علماء کرام کی جانب سے موصول ہونے والے مزید مضامین بھی' اگر اللہ نے چاہا تو' آئندہ اشاعتوں میں پیش کئے جائیں گے۔ (ادارہ)

فی سبیل اللہ کا لغوی معنی:

ابن منظور افریقی ''لسان العرب'' میں رقم طراز ہیں:

كل ما امر الله به من الخير فهو فى سبيل الله اى من الطريق الى الله (۱)

''اور خیر کے وہ کام جن کا اللہ نے حکم دیا ہے' وہ ''سبیل اللہ'' کے مفہوم میں شامل ہیں' یعنی وہ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔''

اور ابن الاثیر الجزری لکھتے ہیں:

السبيل فى الاصل الطريق ..... وسبيل الله عام يقع على كل عمل خالص سلك به طريق التقرب الى الله تعالىٰ ..... (۲)

''سبیل کا اصل معنی راستہ ہے..... اور سبیل اللہ عام ہے جو ہر اُس عملِ خالص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہو۔''

ان السبيل فى اللغة "الطريق" وسبيل الله هو الطريق الموصل الى رضاه (۳)

''سبیل کا لغوی معنی ''راستہ'' ہے اور سبیل اللہ کا معنی ہے ہر وہ راستہ جو اللہ کی رضا تک پہنچانے کا سبب ہو''۔

تاج العروس میں ہے:

واذا اطلق فهو فى الغالب واقع على الجهاد حتى صار لكثرة الاستعمال كانّه مقصورٌ عليه (۴)

''(لفظ ''فی سبیل اللہ'' عام ہے) اور جب مطلق بولا جاتا ہے تو اکثر جہاد مراد ہوتا ہے' یہاں تک کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے گویا اسی معنی کے ساتھ خاص ہو گیا ہے''۔

فی سبیل اللہ کا اصطلاحی مفہوم

آیت صدقہ میں مذکور ''وفی سبیلِ اللّٰہ'' سے جمہور مفسرین و مجتہدین کے نزدیک راہ خدا میں غزوہ و قتال کرنے والے مجاہدین مراد ہیں۔ ہاں صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور مجتہدین میں سے امام محمد بن حسن شیبانی' امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا یہ قول تفسیر و فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حج کرنے والے افراد بھی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل ہیں۔ چنانچہ ملک العلماء علاء الدین

۱) لسان العرب' ۹۱/۳۔ (۲) النهاية فى غريب الحديث والاثر' ۱۵٦/۲
۳) فقه الزكاة' ص ٦٥٤۔ (٤) تاج العروس بحواله النهاية ۳٦٦/۷

کاسانی لکھتے ہیں:

قال ابویوسف : المراد منه فقراء الغزاة لان سبیل اللّٰہ اذا اطلق فی الشرع یراد به ذٰلک(۱)

''امام ابویوسف کا قول ہے کہ سبیل اللہ سے مراد ضرورت مند غازی ہے' کیونکہ سبیل اللہ عرف شرع میں جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے۔''

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

لان الطاعات کلها فی سبیل اللّٰہ الا عند الاطلاق یفهم منه الغزاة(۲)

''اس لئے کہ تمام نیکی کے کام فی سبیل اللہ میں شامل ہیں' مگر جب یہ لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے غازی ہی سمجھا جاتا ہے۔''

مبسوط سرخسی میں ہے:

الطاعات کلها فی سبیل اللّٰہ تعالٰی ولکن عند اطلاق هذا اللفظ المقصود بهم الغزاة عند الناس(۳)

اور طحطاوی نے احناف کی رائے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"فی سبیل اللّٰہ" هو منقطع الغزاة(۴)

''فی سبیل اللہ سے مراد قافلہ سے بچھڑے ہوئے غازی ہی ہیں''۔

احناف میں سے امام محمد اور امام احمد بن حنبل نے ''فی سبیل اللہ'' میں اس حاجی کو بھی شامل کیا ہے جو حج فرض ہونے کے بعد استطاعت حج سے محروم ہو گیا ہو۔ چنانچہ علامہ عینی نے ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وقال السکاکی : منقطع الغزاة وهو المراد من قوله "فی سبیل اللّٰہ" عند ابی حنیفة وابی یوسف ' والشافعی ومالک وعند احمد ومحمد منقطع الحاج(۵)

''بقول سکاکی۔آیت میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' سے امام ابوحنیفہ' ابویوسف' امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک قافلہ سے بچھڑا ہوا غازی مراد ہے۔جبکہ امام احمد اور امام محمد کے نزدیک ضرورت مند حاجی بھی اس میں شامل ہے''۔

---

(۱) بدائع الصنائع' ۴۶/۲۔ (۲) فتاویٰ تاتار خانیہ ' ۲۷۵/۲۔ (۳) المبسوط للسرخسی' ۱۰/۳۔ (۴) طحطاوی' ۴۷۲/۲۔ (۵) عینی الهدایة' ۳۵/۱

مالکیہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی ابن العربی نے احکام القرآن میں اس طرح کی ہے:

قال مالک : سبیل اللّٰہ کثیرۃ ولکنی لا اعلم خلافا فی ان المراد بسبیل اللّٰہ ھھنا الغزو من جملۃ سبیل اللّٰہ[1]

''بقول امام مالک ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ گو اپنے معنی کے اعتبار سے عام ہے مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت میں غازی (راہِ خدا میں جنگ کرنے والے) ہی اس کا مصداق ہیں۔''

مشہور فلسفی اور مجتہد ابن رشد نے فی سبیل اللہ کے بارے میں مجتہدین اُمت کے مذاہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

واما "فی سبیل اللّٰہ" فقال مالک : سبیل اللّٰہ مواضع الجھاد والرباط وبہ قال ابو حنیفۃ[2]

''سبیل اللہ کے بارے میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد جہاد و رباط کی جگہیں ہیں۔''

قرطبی نے لکھا ہے:

فی سبیل اللہ وھم الغزاۃ[3]

فقہ شافعی کی ترجمانی کرتے ہوئے امام نووی نے لکھا ہے:

المتبادر الی الافھام ان سبیل اللّٰہ تعالی ھو الغزو واکثر ما جاء فی القرآن العزیز کذلک[4]

''سبیل اللہ کا متبادر الی الفہم مفہوم غزوہ اور جہاد ہے اور قرآن مجید میں بھی اس معنی میں اس کا اکثر استعمال ہوا ہے''۔

اور سیوطی نے جلالین میں لکھا ہے:

القائمین بالجھاد لمن لا فیئ لھم[5]

''کارِ جہاد انجام دینے والے جن کا وظیفہ مقرر نہ ہو۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

واما سبیل اللّٰہ فالاکثر علی انہ یختص بالغازی[6]

---

(۱) احکام القرآن' ۹۶۹/۲ ۔ (۲) بدایۃ المجتھد' ۲۷۷/۱ ۔ (۳) الجامع لاحکام القرآن' ۱۸۵/۸ ۔ (٤) المجموع شرح المذھب' ۲۱٦/٦ ۔ (٥) جلالین زیرِ آیت نمبر ٦٠ سورۃ التوبۃ ۔ (٦) فتح الباری شرح صحیح البخاری' ۳۳۲/۳ ۔

''جہاں تک لفظ ''فی سبیل اللہ'' کا تعلق ہے تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا مفہوم غازی فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہے۔''

حنابلہ کے نزدیک بھی مجاہدین ہی اس کا مصداقِ اوّلین ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اما فی سبیل اللّٰہ فمنھم الغزاۃ الذین لاحق لھم فی الدیوان عند الامام احمد(۱)

''فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وہ غازی بھی شامل ہیں جن کا کوئی وظیفہ مقرر نہ ہو۔ امام احمد کا یہی مسلک ہے۔''

اور ابن قدامہ حنبلی صاحب ''المقنع'' کے قول ''السابع فی سبیل اللّٰہ'' کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

لا خلاف فی استحقاقھم وبقاء حکمھم ولا خلاف فی انھم الغزاۃ لانّ سبیل اللّٰہ عند الاطلاق ھو الغزو(۲)

''ان کے مستحق اور ان کا حکم باقی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ نیز اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد غازی ہیں' کیونکہ ''سبیل اللہ'' جب مطلق ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد غزوہ اور جہاد ہی ہوتا ہے''۔

کیا مالدار غازیوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

''فی سبیل اللہ'' کا مصداق (موافق مسلک ائمہ اربعہ) اگر ان غازیوں کو قرار دیا جائے جو اپنے قافلہ سے بچھڑ گئے ہوں تو کیا ہر غازی اور مجاہد کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو؟ یا اُن کا فقیر ومحتاج ہونا اخذِ زکوٰۃ کے لئے شرط ہے؟ اس سلسلہ میں دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں' ایک فقہاء احناف کا اور دوسرا ائمہ ثلاثہ (امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا۔

فقہاء احناف کے نزدیک عاملین زکوٰۃ کے علاوہ تمام مصارفِ زکوٰۃ میں فقر واحتیاج کی قید ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ لہٰذا ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف میں وہی غازی یا حاجی حضرات مستحق زکوٰۃ قرار پائیں گے جن کے پاس اپنا ذاتی مال واسباب نہ ہو' یا مال تو اپنے وطن میں ہو مگر فی الحال وہ اپنے قافلہ سے بچھڑ جانے کی وجہ سے اسلحہ یا اسبابِ خورد ونوش کے لئے پریشان ہوں تو صرف ان ہی کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ اور اگر اُن کے پاس اپنی ذاتی رقم

(۱) تفسیر ابن کثیر' ۲/ ۳۸۰۔ (۲) الشرح الکبیر علی المقنع' ۱/ ۲۴۹۔

موجود ہو جس سے وہ اپنے لئے سامانِ جہاد اور سامانِ خورد و نوش خرید سکتے ہوں اور منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہوں تو پھر نہ تو وہ زکوٰۃ کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور نہ ہی وہ ''فی سبیل اللہ'' کے مصداق قرار پائیں گے چنانچہ حنفی دبستانِ فقہ کے مشہور ترجمان محقق ابن نجیم مصری اپنی مشہور تصنیف ''البحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ولا يخفى ان قيد الفقر لا بُدَّ منه على الوجوه كُلِّها (۱)

''یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ تمام مصارفِ زکوٰۃ میں فقر کی شرط لازمی ہے''۔

بعینہٖ یہی کچھ ابن الہمام نے بھی اپنی کتاب ''فتح القدیر'' میں لکھا ہے۔ (۲)

ملک العلماء علامہ کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں امام ابو یوسف کے حوالہ سے ''فی سبیل اللہ'' کی تشریح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال ابو يوسف : المراد منه فقراء الغزاة (۳)

''بقول امام ابو یوسف اس سے مراد ضرورت مند غازی ہیں''۔

اور علامہ زیلعی نے ''تبیین الحقائق'' میں لکھا ہے:

وفي سبيل اللّٰه هم منقطع الغزاة عند ابي يوسف اي الفقراء منهم وعند محمد منقطع الحاج وهم الفقراء منهم (۴)

''امام ابو یوسف کے نزدیک ''فی سبیل اللہ'' سے ضرورت مند غازی جبکہ امام محمد کے نزدیک ضرورت مند حاجی بھی اس میں شامل ہے''۔

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''پھر جو لوگ ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق غازی کو قرار دیتے ہیں تو اُن کے نزدیک غازی سے مراد وہ شخص ہے جو ''رقبہ'' اور ''ید'' دونوں اعتبار سے فقیر ہو (یعنی نہ تو اس کے وطن میں اس کے پاس اپنا ذاتی مال ہو اور نہ اس وقت اس کے پاس کچھ مال ہو) یا صرف ید کے اعتبار سے فقیر ہو بایں طور کہ وہ اپنے وطن میں مال و دولت کا مالک ہو مگر اُس وقت اس کے پاس مال نہ ہو تو ایسا شخص باعتبار ''ید'' فقیر کہلائے گا اور باعتبار رقبہ غنی ـــــ جو شخص رقبہ اور ید دونوں لحاظ سے غنی ہو اس کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں ہے۔'' (۵)

---

(۱) البحر الرائق' ۲۴۲/۲۔ (۲) فتح القدیر' ۲۲۴/۲۔ (۳) بدائع الصنائع' ۵۰۷/۲۔

(۴) تبیین الحقائق' ۲۹۸/۱ نیز دیکھئے المبسوط للسرخسی' ۱۰/۲ وتفسیر روح المعانی' ۱۲۳/۹۔

(۵) فتاوی تاتار خانیه' ۲۷۰/۲۔

استحقاقِ زکوٰۃ کے لئے فقر واحتیاج کے سلسلے میں احناف کے دلائل

زکوٰۃ کے اصل مصرف فقراء ومساکین ہیں اور وجہِ استحقاق صرف فقر واحتیاج ہے۔ جن افراد کو اللہ تعالیٰ نے دولت وثروت سے نوازا ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ہیں' لینے کے مستحق نہیں ہیں۔اس سلسلے میں بہت واضح نصوص موجود ہیں۔

۱) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝﴾ (المعارج:۲۴'۲۵)

''اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور ہارے ہوئے کا۔''

۲) ﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّاهِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ (البقرۃ:۲۷۱)

''اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے' اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں' اور وہ دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے' اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔''

۳) ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرۃ:۲۷۳)

''خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں' سمجھتے ہیں ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے۔تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے۔نہیں سوال کرتے ہیں لوگوں سے لپٹ کر۔اور جو تم خرچ کرو گے کام کی چیز وہ بیشک اللہ کو معلوم ہے۔''

۴) ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.....﴾ (النور:۲۲)

''اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں۔''

۵) رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت جو ہدایات دی تھیں ان کا ایک حصہ یہ تھا:

أعلمهم انّ اللّٰه افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم فترد علٰى فقرائهم[1]

''ان کو بتا دو کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے حاجت مندوں کو دی جائے گی۔''

۶) حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

بعث رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ساعيا فاخذ الصدقة من اغنيائنا فقسمها فى فقرائنا فكنتُ غلاما يتيما فاعطانى منها فلوسًا[2]

''(ابوجحیفہ کا بیان ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہمارے پاس) ایک ساعی (زکوٰۃ وصول کنندہ) بھیجا جس نے ہمارے صاحب حیثیت لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ہمارے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ اس وقت میں ایک یتیم بچہ تھا' چنانچہ انہوں نے زکوٰۃ کی رقم میں سے کچھ فلوس (پیسے) مجھے بھی دیئے۔''

۷) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان معاذ بن جبل لم يزل بالجند اذ بعثه رسول اللّٰه ﷺ حتى مات النبى ﷺ ثم قدم على عمر فرده على ما كان عليه فبعث اليه بثلث صدقة الناس فانكر ذلك عمر وقال لم ابعثك جابيا ولا آخذًا جزية ولكن بعثتُك لتاخذ من اغنياء الناس فترد على فقرائهم فقال معاذ ما بعثت اليك بشىء وانا اجد احدا ياخذه منى[3]

''..... معاذ بن جبلؓ کو رسول اللہ ﷺ نے جب سے فوجی مہم پر روانہ کیا تھا اس وقت سے تا انتقالِ رسول اللہ ﷺ وہ فوجی مہمات میں خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی ان کو اسی خدمت پر مامور کیا۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے وہاں کی زکوٰۃ کا ایک تہائی حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات بری لگی اور فرمایا: میں نے تمہیں نہ تو ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور نہ جزیہ لینے والا' بلکہ میں نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے کہ تم متمول لوگوں سے زکوٰۃ لے کر ان ہی کے ضرورت مندوں میں تقسیم کرو۔ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ چونکہ یہاں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا اس لئے میں نے آپ کے پاس روانہ کی''۔

۸) عن على رضى اللّٰه عنه ان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ان اللّٰه فرض على اغنياء المسلمين فى اموالهم بقدر الذى يسع فقرائهم[4]

---

(۱) بخاری' ۱۸۷/۱' کتاب الزکوٰۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' ۳۶/۱۔ ابوداؤد' ۲۳۲/۱۔ نسائی' ۳۲۰/۱۔ (۲) مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ' ۲۰۴/۱۔ وترمذی' ۸۲/۱۔ (۳) فقہ السنۃ' ۴۰۹/۱۔ (۴) ایضاً ۳۲۷/۱۔

''حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اغنیاء مسلمین کے مال و دولت میں سے اتنی مقدار میں مال لینا فرض قرار دیا ہے جو ان کے حاجت مندوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو''۔

۹) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عدیّ بنِ الخيارِ اَخْبَرَنِیْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يُقَسِّمُ الصَّدَقَةَ فَسَاَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا الْبَصَرَ وَخَفَضَهُ فَرَآنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ : ((اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِیٍّ وَلَا لِقَوِیٍّ مُكْتَسِبٍ))(۱)

''عبیداللہ بن عدی بن الخیار کا بیان ہے کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ ہم حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جب کہ آپؐ زکوٰۃ تقسیم فرما رہے تھے' اور زکوٰۃ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے جب نگاہ اٹھا کر ہمیں دیکھا تو ہم دونوں کو مضبوط و توانا اور ہٹا کٹا پایا تو فرمایا: ''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں اس میں سے حصہ دوں' لیکن یہ یاد رکھو کہ اس (زکوٰۃ) میں کسی غنی اور مضبوط و توانا کمانے پر قادر آدمی کا کوئی حصہ نہیں ہے''۔

۱۰) عن عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال : ((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِیٍّ وَّلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ)).(۲)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ (کا لینا) کسی غنی اور طاقتور تندرست آدمی کے لئے جائز نہیں۔''

یہ اور اس جیسی دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ استحقاق زکوٰۃ کے لئے فقر و احتیاج کی شرط لازمی ہے۔ اس لئے فقہاء احناف کے نزدیک استحقاق زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے چھ مصارف میں فقر و عدم غنا بنیادی شرط ہے' البتہ یہ فقر و عدم غنا عام ہے' چاہے ملک و ید دونوں کے اعتبار سے ہو' جیسے عام فقراء یا صرف ید کے اعتبار سے ہو' جیسے ابن السبیل' یا کسی لازم فی الذمہ مالی مطالبہ کے اعتبار سے ہو' جیسے غارم۔

احناف کے مسلک کے برعکس مالکیہ' شوافع اور حنابلہ کے جمہور علماء کے نزدیک استحقاقِ زکوٰۃ کے لئے فقر و عدمِ غنا کی شرط سے غازی مستثنیٰ ہے اور استثناء کی وجہ درج ذیل حدیث ہے:

عن عطاء بن يسار ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال : ((لَا

(۱) سنن ابی داوٗد' ۲۳۱/۱ ۔ سنن النسائی' ۳٦٤/۱ ۔ مصنف ابن ابی شیبہ' ۲۰۸/۲ ۔

(۲) سنن ابی داوٗد' ۲۳۱/۱ ۔ سنن نسائی' ۳٦۳/۱ ۔ مصنف ابن ابی شیبہ' ۲۰۷/۲ ۔

تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ : لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْ لِغَارِمٍ اَوْ لِرَجُلٍ اِشْتَرَاهَا بِمَا لِهٖ اَوْ لِرَجُلٍ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ)) (۱)

''عطاء بن یسار کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مالداروں کے لئے صدقہ حلال نہیں سوائے پانچ قسم کے لوگوں کے: مجاہد فی سبیل اللہ' عامل علی الزکوۃ' یا وہ شخص جس نے صدقہ کا مال خرید لیا ہو یا وہ شخص جس نے اپنے مسکین پڑوسی کو زکوۃ دی اور بعد ازاں اس مسکین نے وہ زکوۃ کا مال اس غنی کو دوبارہ بطور ہدیہ دے دیا''۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : ((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِابْنِ السَّبِيْلِ اَوْ جَارٍ فَقِيْرٍ يُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ فَيُهْدِيْ لَكَ)) (۲)

''ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مال داروں کے لئے صدقہ (زکوۃ) حلال نہیں سوائے مسافر' یا ضرورت مند پڑوسی کے جس کو زکوۃ ملے اور پھر وہ تمہیں ہدیہ کر دے۔''

مذکورہ بالا روایات میں غارم اور ابن السبیل پر غنی کا اطلاق محض ایک پہلو کے اعتبار سے ہے۔ جو شخص بقدرِ نصاب مال کا مالک ہو مگر اُسی قدر اُس کے ذمہ قرض ہو تو وہ بظاہر غنی ہے اگرچہ قرض کی رقم نکال دینے کے بعد اس کے پاس کچھ نہیں رہ جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی کی ملکیت میں مقدارِ نصاب سے زائد مال ہو مگر بحالتِ سفر اس کا ہاتھ بالکل خالی ہو جائے تو وہ مالِ نصاب کا مالک ہونے کے اعتبار سے غنی ہے اگرچہ ہاتھ خالی ہونے کی وجہ سے وہ وقتی طور پر محتاج ہو گیا ہے۔ ان صورتوں میں غارم اور ابن السبیل کو ایک پہلو کے اعتبار سے غنی یا دوسرے پہلو کے اعتبار سے فقیر کہا جائے اصل حقیقت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا' بلکہ اس سلسلہ کا اختلاف صرف اختلافِ لفظی ہوگا۔

البتہ غازی کے بارے میں احناف اور جمہور فقہاء کا اختلاف کسی حد تک واقعی اور حقیقی ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک غازی غنی کو زکوۃ دی جا سکتی ہے مگر اِس قید کے ساتھ کہ بیت المال سے اسے باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی ہو۔ چنانچہ شوافع کے مسلک کی ترجمانی سیوطی نے ان

---

(۱) موطا امام مالك مع الاوجز' ۲۲۱/۳۔ ابوداؤد' ۲۳۱/۱' مصنف ابن ابی شیبہ' ۲۱۰/۱۔

(۲) ابوداؤد' ۲۳۱/۱ و مصنف ابن ابی شیبہ' ۲۱۰/۱۔

الفاظ میں کی ہے:

القائمین بالجهاد لمن لا فیئی لهم ولو اغنیاء [1]

حافظ ابن کثیر کا بیان ہے:

اما فی سبیل اللّٰه فمنهم الغزاة الذین لا حق لهم فی الدیوان عند الامام احمد [2]

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

فی سبیل اللّٰه وهم الغزاة المجاهدون الذین لا حق لهم فی الدیوان لأن السبیل عند الاطلاق هو الغزو ..... فیدفع الیهم لا نجاز مهمتهم وعودهم ولو کانوا عند الجمهور اغنیاء لانه مصلحة عامة واما من له شیء مقدر فی الدیوان فلا یعطی لان من له رزق راتب یکفیه فهو مستغن به. [3]

''فی سبیل اللہ سے مراد وہ مجاہدین اور غازی ہیں جن کو باقاعدہ کوئی تنخواہ نہیں ملتی' کیونکہ ''سبیل اللہ'' جب مطلق ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے غزوہ اور جہاد ہی مراد ہوتا ہے' لہٰذا مہمات سر کرنے کے لئے ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے چاہے وہ غنی ہی کیوں نہ ہوں (جمہور کے نزدیک) البتہ جس غازی اور مجاہد کو بقدر کفاف تنخواہ ملتی ہو تو اسے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی جائز نہیں۔''

عدم راتب کی قید سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء نے فقر و احتیاج کے پہلو کو یکسر نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ کسی حد تک اس کو ملحوظ رکھا ہے۔ علامہ کاسانی نے امام شافعی کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقال الشافعی یجوز دفع الزکاة الی الغازی وان کان غنیا وأما عندنا فلا یجوز [4]

''بقول امام شافعی مجاہد فی سبیل اللہ کو باوجود اُس کے غنی ہونے کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے' ہمارے نزدیک نہیں''۔

علامہ بغوی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:

---

(۱) جلالین' زیر آیت ۶۰' سورة التوبة۔ (۲) تفسیر ابن کثیر' ۳۸۰/۳۔

(۳) الفقه الاسلامی' ۸۷۲/۲۔ (٤) بدائع الصنائع' ٤٦/٢۔

"فی سبیل اللّٰہ" اراد بھا الغزاۃ فلھم سھم من الصدقۃ یعطون اذا ارادوا الخروج الی الغزو وما یستطیعون بہ علی أمر الغزو من النفقۃ والکسوۃ والسلاح ..... وان کانوا اغنیاء(۱)

''فی سبیل اللہ سے مراد غازی ہیں چنانچہ زکوٰۃ میں ان کا حصہ مقرر ہے۔ جب یہ لوگ جہاد کی نیت سے گھروں سے نکلیں اور ان کے پاس جہاد میں مطلوب اسلحہ اور لباس وغیرہ نہ ہو تو ان کو زکوٰۃ دی جائے گی چاہے وہ غنی ہی کیوں نہ ہوں۔''

یہی بات شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھی ہے:

واستحقاقِ غازی غنی زکوٰۃ را مذہب شافعی است(۲)

مالکی دبستان فقہ کے ترجمان علامہ قرطبی نے تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں امام مالک کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

..... وھم الغزاۃ وموضع الرباط یعطون ما ینفقون فی غزوھم اغنیاء کانوا او فقراء وھذا قول اکثر العلماء وھو تحصیل مذھب مالک رحمہ اللّٰہ (۳)

''اس سے مراد غازی اور رباط کی جگہیں ہیں' چنانچہ غازیوں کو جہاد میں اخراجات کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی چاہے وہ مال دار ہوں یا ضرورت مند۔ یہی اکثر علماء کا قول ہے اور یہی امام مالک کے مذہب کا خلاصہ ہے''۔

بعینہٖ یہی بات علامہ شوکانی نے بھی تحریر فرمائی ہے:

"و فی سبیل اللّٰہ" ھم الغزاۃ والمرابطون یعطون من الصدقۃ ما ینفقون فی غزوھم ومرابطھم وان کانوا اغنیاء وھذا قول اکثر العلماء ..... (۴)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ جمہور فقہاء اگرچہ مصرفِ صدقات کے لئے فقر کی شرط لگاتے ہیں' لیکن مذکورہ بالا عطاء بن یسار کی مرسل روایت کی وجہ سے (جسے ابوداؤد' ابن ماجہ اور مالک نے روایت کیا ہے) اس شرط سے غازی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایک طرف یہ مرسل روایت ہے جس سے غازی غنی کے لئے اخذِ صدقہ کا جواز معلوم ہوتا ہے' دوسری طرف وہ احادیث اور قرآن مجید کی نصوص قطعیہ ہیں جن سے علی الاطلاق غنی کے

---

(۱) معالم التنزیل' ۷۸/۲ (۲) اشعۃ اللمعات' ۲۸/۲۔ (۳) تفسیر قرطبی' ۱۸۵/۸۔
(۴) تفسیر فتح القدیر' ۲۷۳/۲۔

لئے صدقہ کی عدم حلت بیان کی گئی ہے۔ تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جن روایات سے (لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اور لَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ) مطلقاً ہر غنی کے لئے صدقہ کی حرمت معلوم ہوتی ہے ان کی تائید نہ صرف قرآن مجید کی مذکورہ بالا نصوص قطعیہ سے ہوتی ہے بلکہ خود وہ روایات بھی سند و متن ہر دو لحاظ سے قابل اطمینان ہیں۔ محقق ابن ہمام نے تفصیل سے ان پر بحث فرمائی ہے۔(۱) جبکہ اس کے مقابلہ میں عطاء بن یسار کی مرسل روایت میں سند اور متن دونوں اعتبار سے اضطراب ہے' جیسا کہ محققین نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔(۲)

سند و متن دونوں میں اضطراب کی وجہ سے ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے اوجز المسالک شرح موطا امام مالک میں اور محقق ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں تحریر فرمایا ہے:

وما رواه ابو داود وابن ماجه وما لک عنه علیه الصلوة والسلام لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ : لِغَازٍ ..... الحدیث. قیل لم یثبت ولو ثبت لم یقوّقوّة حدیث معاذ فانه رواه اصحاب الکتب الستة مع قرینة من الحدیث الاخر ..... ولو قوی قوته ترجح حدیث معاذ بانه مانع وما رواه مبیح (۳)

یعنی حدیث ''لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ .....'' کی بابت یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو حدیث معاذ کے پائے کی نہیں (جس سے غنی مجاہد کے لئے صدقہ کی حرمت معلوم ہوتی ہے) کیونکہ حدیث معاذ کو اصحاب ستہ نے روایت کیا ہے۔ اور اگر اس درجہ کی مان بھی لی جائے تب بھی حدیث معاذ کو ترجیح ہوگی' کیونکہ وہ مانع ہے اور یہ مبیح ہے جس میں تاویل بھی کی گئی ہے (اور مانع و مبیح میں تعارض کے وقت مانع کو ترجیح ہوتی ہے)

یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے تو یہاں تک بھی کہا ہے کہ غنی کے لئے کسی حال میں بھی زکوٰۃ حلال نہیں چاہے وہ مجاہد ہو یا عامل۔ چنانچہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں ابن القاسم سے یہی مسلک نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

روی عن ابن القاسم انه لا یجوز اخذ الصدقة لغنی اصلاً مجاهداً کان او عاملاً (۴)

''ابن القاسم سے منقول ہے کہ صاحب حیثیت کے لئے کسی صورت میں زکوٰۃ لینا

---

(۱) فتح القدیر شرح هدایه' ۲۰۹/۲۔ (۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر مظهری' ۲۴۴/۴۔
(۳) فتح القدیر' ۲۰۹/۲ و مرقاة شرح مشکوٰة' ۴۵۰/۲۔ (۴) بدایة المجتهد' ۲۰۲/۱۔
نوٹ: عامل کے لئے بالاتفاق فقر و احتیاج شرط نہیں ہے۔

جائز نہیں چاہے وہ مجاہد ہو یا محصل زکوۃ''۔

بالفرض غازی غنی کے لئے صدقہ کے جواز کے سلسلہ میں جمہور فقہاء کے متدل عطاء بن یسار کی مرسل روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ حدیث فقہاء احناف کے مسلک کے خلاف نہیں ہے' کیونکہ انہوں نے اس کا محل بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابوبکر جصاص لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اگر یہ اشکال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے مالدار مجاہدین کے لئے صدقہ لینا جائز قرار دیا ہے اپنے اس فرمان سے: ((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ .....الخ)) تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ کبھی ایک شخص اپنے شہر' وطن اور اپنے گھر والوں میں مالدار ہوتا ہے نصاب سے زائد اس کے پاس دراہم یا ان کی قیمت ہوتی ہے جن کی بنا پر اس کے لئے زکوۃ لینی جائز نہیں ہوتی' لیکن جب وہ سفر جہاد میں نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو آلات سفر اور آلات حرب وضرب کا محتاج ہونے کی بنا پر زائد رقم خرچ کرتا ہے (اور ضرورت کی وجہ سے ایسے وقت میں) اس کے لئے صدقہ جائز ہو جاتا ہے''۔(۱)

علامہ کاسانی نے اس کی مزید تفصیل فرمائی ہے جس کا حاصل درج ذیل ہے:

''وہ حدیث جس میں غنی مجاہد کے لئے صدقہ لینا جائز قرار دیا گیا ہے وہ وقتی حاجت پیش آنے پر محمول ہے اور اس کو غنی ماسبق اور ماکان (سابق حالت) کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے.....مثلاً ایک شخص مالدار صاحب نصاب ہے جس کی بنا پر اُس کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں' پھر وہ سفر جہاد کا ارادہ کرتا ہے اور آلات سفر و جہاد' ہتھیار اور سواری وغیرہ کا حاجت مند ہو جاتا ہے' اس کو سواری چاہئے جس پر سوار ہو کر وہ جہاد کر سکے ـــــ الغرض وہ ان تمام چیزوں کا محتاج ہو جاتا ہے جن کا حالت اقامت میں محتاج نہیں تھا' ایسی ضرورت اور حاجت کے وقت اس کو مال زکوۃ دینا جائز ہے حالانکہ وہ اپنے مقام میں صاحب نصاب اور مالدار ہے''۔(۲)

حاصل یہ کہ مجاہد ضرورت مند پر غنی کا جو اطلاق کیا گیا ہے وہ مجازاً اور گزشتہ حالت کے اعتبار سے ہے' جب کہ اس کو حاجت پیش نہیں آئی تھی' اور صدقہ کی حلت موجودہ حالت کے اعتبار سے ہے جبکہ وہ حاجت مند ہے اور ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ تطبیق کی یہ بہتر شکل ہے جس سے دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس غنی مجاہد کو (اگر

(۱) احکام القرآن' ۱۲۷/۳۔ (۲) بدائع الصنائع' ۴۷/۲ واوجز المسالك شرح موطا امام مالك' ۲۲۳/۳

غیر محتاج ہو) زکوٰۃ کا مصرف قرار دینے میں ان احادیث کی مخالفت اور ان کا ترک لازم آتا ہے؟ جن میں علی الاطلاق غنی کے لئے اخذ زکوٰۃ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

باقی رہا یہ اشکال کہ اگر مصارف زکوٰۃ میں ہر مصرف کے لئے فقر کی شرط ضروری ہے تو پھر ''عامل'' کے لئے یہ قید کیوں ضروری نہیں اور غناء کے باوجود وہ کیوں زکوٰۃ کا مستحق ٹھہرتا ہے؟ تو اس کا جواب ابوبکر جصاص اور کاسانی نے یہ دیا ہے کہ:

''عاملین خود اپنی ذات کے لئے صدقہ نہیں لیتے بلکہ فقراء کے لئے لیتے ہیں' پھر اپنے اس عمل کے عوض میں وہ صدقہ لیتا ہے جو اُس نے فقیر کے لئے انجام دیا ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی فقیر پر صدقہ کیا گیا اور اس نے وہ صدقہ اس شخص کو دے دیا جس نے اس کے لئے کوئی کام کیا تھا۔ اس کی مثال میں حضرت بریرہ پر صدقہ کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تو وہ ہدیہ تھا اور حضرت بریرہؓ کے لئے صدقہ''۔ (۱)

شمس الائمہ سرخسی اور علامہ کاسانی نے بھی اسی انداز کا جواب دیا ہے۔ (۲) نیز اسی انداز کی گفتگو دیگر مذاہب والوں نے بھی فرمائی ہے۔ (۳)

رہا یہ اعتراض کہ فی سبیل اللہ کے مصداق میں اگر فقر کی قید ملحوظ ہے تو پھر اس مصرف کو علیحدہ سے بیان کرنے کا فائدہ کیا؟ کیونکہ فقر کی وجہ سے تو وہ پہلے ہی فقراء کے مصرف میں داخل ہیں' فی سبیل اللہ میں فقر کی قید لگانا گویا مستقل مصرف کو باطل کرنا ہے یا پھر تکرار بے فائدہ' اور اللہ تعالیٰ کا کلام بلیغ اس طرح کے تکرار سے منزہ ہے۔ یہ اشکال صاحب عنایہ' (۴) صاحب تفسیر المنار (۵) اور شیخ یوسف القرضاوی (۶) نے ذکر کیا ہے' لیکن یہ اشکال صرف ''فی سبیل اللہ'' ہی پر کیوں ہے جبکہ فقر کی شرط تو بجز عامل کے ہر مصرف میں ضروری اور لازم (۷) ہے' لہٰذا دوسرے مصارف پر بھی شبہ ہونا چاہئے۔

نیز احناف ہی کی کیا تخصیص ہے دوسرے مسالک میں بھی کسی نہ کسی مصرف میں (مثلاً ابن السبیل) فقر کی قید ضروری اور لازم (۸) ہے۔ اس طرح یہ اشکال تو دوسرے مصارف اور دوسرے مذاہب پر بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) احکام القرآن' ۱۴۰/۳۔ (۲) مبسوط' ۹/۲۔ بدائع الصنائع' ۲۹/۲۔ (۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اوجز المسالک شرح موطا امام مالک' ۲۲۴/۳۔ (۴) عنایہ' ۲۶۲/۲۔ (۵) تفسیر المنار' ۵۸۰/۱۔ (۶) فقہ الزکاۃ' ۶۵۶/۲ (۷) فتح القدیر' ۲۰۵/۲۔ بدائع' ۴۳/۲۔ بحر الرائق' ۲۶۰/۲۔ (۸) الفقہ الاسلامی وادلتہ' ۲۷۸/۲۔

اصل بات یہ ہے کہ آیت کریمہ میں مصارف زکوٰۃ کو ''واؤ'' حرف عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور عطف کا تقاضا ہے کہ ہر قسم اپنے قسیم سے مغائر ہو۔ بالفاظ دیگر جملہ اقسام میں باہم مغائرت ہونی چاہئے۔ لہٰذا اگر یہ مغائرت ثابت ہو جائے تو پھر اس کو تکرار بے فائدہ یا مستقل صنف کا ابطال کہنا غلط ہوگا۔ لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ ان مصارف ثمانیہ میں باہم مغائرت ہے یا نہیں' اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے:

فان قیل : فی سبیل اللّٰہ مکرر ـــــ اجیب بانه فقیر الا انه ازداد فیه شیٔ آخر سوی الفقر وهو الانقطاع فی عبادة اللّٰہ من جهاد ..... فلهذا غایر الفقیر المطلق فان المقید یغایر المطلق لا محالة ..... الخ (۱)

''اگر یہ شبہ کیا جائے کہ ''فی سبیل اللہ'' (میں اگر فقر کی قید ملحوظ اور ضروری ہے تو پھر فی سبیل اللہ) مکرر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک وہ فقیر ہی ہے البتہ اس میں فقر کے علاوہ دوسری شے زائد بھی ہے اور وہ ہے اللہ کی عبادت' یعنی جہاد کے لئے بالکل یکسو ہو جانا۔ پس اس وجہ سے (مجاہد فقیر) مطلق فقیر کے مغائر ہو گیا' کیونکہ مطلق یقیناً مقید کے مغائر ہوتا ہے''۔

محقق ابن نجیم نے بھی بحر الرائق میں بعینہٖ یہی جواب دیا ہے۔ (۲)

صاحب عنایہ نے یہ جواب دیا ہے:

اجیب بانه فقیر الا انه ازداد فیه شیء آخر سوی الفقر وهو الانقطاع فی عبادة اللّٰہ من جهاد فلذلک غیر الفقیر المطلق (۳)

''اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ ''فی سبیل اللہ'' کی مد میں بھی فقر کی قید ملحوظ ہے مگر اس پر فقر کے سوا **انقطاع فی عبادة اللّٰہ من جهاد** (یعنی جہاد جیسی اللہ کی عبادت کیلئے یکسو ہو جانا) کی زیادتی ہے۔ لہٰذا اس قید کی وجہ سے وہ فقیر مطلق سے مغائر ہو گیا''۔

بعینہٖ یہی جواب علامہ زیلعی نے بھی اپنی کتاب تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں دیا ہے۔ (۴)

تملیک رکن زکوٰۃ ہے

جمہور فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک بنیادی رکن کی حیثیت رکھتی

---

(۱) روح المعانی' ۱۰/۱۲۳۔ (۲) بحر الرائق' ۲/۲۴۲۔ (۳) عنایة' ۲/۲۶۴۔
(۴) تبیین الحقائق' ۱/۲۹۸۔

ہے۔ جب تک زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو بطور تملیک نہ دی جائے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔
چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن الجزیری زکوٰۃ کی تعریف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وشرعا تملیک مالٍ مخصوصٍ لمستحقه بشرائط مخصوصة" (۱)

''زکوٰۃ کے شرعی معنی مخصوص شرائط کے ساتھ مال کا ایک خاص حصہ بطور تملیک کسی کو دے دینا ہے''۔

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی رقمطراز ہیں:

واما ركن الزكاة فهو اخراج جزء من النصاب بانهاء يد المالک عنه وتمليكه الى الفقير وتسليمه اليه او الى من هو نائب عنه وهو الامام او المصدق (۲)

''نصاب کے ایک حصہ سے مالک کا قبضہ ختم کرنا اور کسی فقیر یا اس کے نائب مثلاً امام وقت یا محصل صدقہ کو حوالے کر کے اس کو اس کا مالک بنا دینا رکن زکوٰۃ ہے۔''

علامہ عینی نے لکھا ہے:

والاحسن ما قاله حافظ الدين النسفي : الزكاة تمليک المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المالک من كل وجه لله تعالىٰ (۳)

''اس سلسلے (تعریف زکوٰۃ) میں سب سے خوبصورت بات حافظ نسفی نے کہی ہے کہ زکوٰۃ ہاشمی اور اس کے آزاد کردہ غلام کے علاوہ کسی مسلمان ضرورت مند کو محض ابتغاءً لوجه الله بطور تملیک اس طریق پر دینے کا نام ہے کہ اس سے مالک کسی لحاظ سے بھی نفع نہ اٹھا سکے۔''

ملک العلماء کاسانی لکھتے ہیں:

وامر اللّٰه تعالى بايتاء الزكاة لقوله عزوجل ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ والايتاء هو التمليک ولذا سمى الله تعالى الزَّكاة صدقة لقوله عزوجل : ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ والتصدق تمليک فيصير المالک مخرجاً قدر الزكاة الى الله بمقتضى التمليک سابقاً عليه '

---

(۱) الفقه على المذاهب الاربعة' ۲۷۲/۱ ـ (۲) الفقه الاسلامى وادلته' ۲۳۷/۲ ـ

(۳) البناية شرح الهداية' ۳۴۰/۳ ـ

ولان الزكاة عبادة على اصلنا والعبادة اخلاص العمل بكليته لله تعالى وذلك فيما قلنا ان عند التسليم الى الفقير تنقطع نسبة قدر الزكاة عنه بالكلية وتصير خالصة لله تعالى ويكون معنى القربة فى الاخراج الى الله تعالىٰ بابطال ملكه عنه. (۱)

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

ولا يجزئ فى الزكاة عتق رقبة ولا الحج ولاقضاءِ دين ميت ولا تكفينه ولا بناء مسجد والاصل فيه ان الواجب فيه فعل الايتاءِ فى جزء من المال ولا يحصل الايتاء الا بالتمليك فكل قربة خلت من التمليك لا تجزئ عن الزكاة(۲)

''مالِ زکوٰۃ میں سے کسی غلام کا آزاد کرنا' حج' میت کے دَین کی ادائیگی' اس کی تکفین اور کسی مسجد کی تعمیر جائز نہیں' کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے فعل ایتاء استعمال کیا گیا ہے اور ایتاء کا تحقق بغیر تملیک کے نہیں ہوسکتا' لہٰذا ہر وہ ثواب کا کام جو تملیک سے خالی ہو اُس کی ادائیگی مالِ زکوٰۃ سے نہیں ہوسکتی''۔

فقہاء شافعیہ میں سے ابوعبید القاسم بن سلام کتاب الاموال میں لکھتے ہیں:

فاما قضاء الدّين عن الميّت والعطية فى كفنه وبنيان المساجد واحتفار الانهار وما اشبه ذلك من انواع البرّ فانّ سفيان واهل العراق وغيرهم من العلماء يجمعون على ان ذلك لا يجزئ عن الزكاة لانه ليس من الاصناف الثمانية (۳)

''میت کے دَین کی ادائیگی' اس کی تکفین کے لئے کوئی عطیہ دینا' مساجد کی تعمیر' نہروں کی کھدائی اور ان جیسے دیگر نیکی کے کاموں کے بارے میں سفیان ثوری اور اہل عراق وغیرہ علماء کا اتفاق ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے ان کی ادائیگی جائز نہیں' کیونکہ یہ کام زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں سے کسی ایک کے تحت بھی نہیں آتے''۔

علاء الدین محمد سمرقندی تحفۃ الفقہاء میں رقم طراز ہیں:

واما ركن الزكاة فهو اخراج جزء من النصاب ..... الى الله تعالىٰ والتسليم اليه وقطع يده عنه بالتمليك من الفقير والتسليم اليه او

(۱) بدائع الصنائع' ۳۹/۲۔ (۲) المبسوط' ۲۰۲/۲۔ (۳) کتاب الاموال' ص ۶۰۲۔

الی من هو نائب عنه وهو الساعی (۱)

''زکوٰۃ کا رکن یہ ہے کہ مالک نصاب' نصاب کا ایک مخصوص حصہ اپنے مال میں سے نکال کر اور اس پر اپنا قبضہ ختم کر کے بطور تملیک کسی فقیر یا اس کے نائب (محصل) کے حوالہ کر دے''۔

وصاحب المال نائب اللّٰه تعالیٰ فی التسلیم الی الفقراء قال اللّٰه تعالی: ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ والایتاء هو التملیک (۲)

''فقراء کو مال زکوٰۃ دینے میں صاحب مال اللہ عزوجل کا نائب ہوتا ہے' کیونکہ اسی نے ''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' کا حکم دیا ہے اور ایتاء کا نام تملیک ہی ہے''۔

بنا بریں علماء اُمت قریباً اس بات پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق کو مالک بنائے بغیر از خود رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں چاہے اس سے فقراء ہی کے مفادات وابستہ ہوں۔ چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

وعلی هذا یخرج صرف الزکاة الی وجوه البرّ من بناء المساجد والرباطات والسقایات واصلاح القناطر وتکفین الموتٰی ودفنهم انه لا یجوز لانه لم یوجد التملیک (۳)

''بنا بریں اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم مساجد اور رباطات کی تعمیر' پانی کی سبیلیں لگانے' پلوں کی اصلاح یا میت کے کفن دفن میں خرچ کر دی تو تملیک نہ ہونے کی بناء پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی''۔

علامہ عینی نے لکھا ہے:

ولا یبنی بها مسجد لان الرکن فی الزکاة التملیک من الفقیر ولم یوجد ولا یکفن بها میت لانعدام التملیک من المیت وهو الرکن وکذا لا تبنی بها القناطر ..... ولا یحفربها الآبار ولا تصرف فی اصلاح الطرقات وسدّ الثغور ..... ونحو ذلک مما لا یملک فیه (۴)

''زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر میں نہیں لگائی جا سکتی' کیونکہ زکوٰۃ کا رکن کسی فقیر کو اُس کا مالک بنا دینا ہے جو اس صورت میں نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح میت کی تکفین' پلوں کی

---

(۱) تحفة الفقهاء' ۳۰۵/۲۔ (۲) تحفة الفقهاء' ۳۰۵/۲۔

(۳) بدائع الصنائع' ۳۹/۲۔ (٤) البنایه شرح الهدایه' ۵٤٤/۳۔

تعمیر' کنوؤں کی کھدائی' شاہراہوں وغیرہ کی تعمیر میں جائز نہیں' کیونکہ ان صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی''۔

ابن قدامہ حنبلی رقم طراز ہیں:

ولا یجوز صرف الزکاۃ الی غیر من ذکر اللّٰہ تعالی من بناء المساجد والقناطر والسقایات واصلاح الطرقات وسدّ البثوق وتکفین الموتی ..... واشباہ ذلک من القرب التی لم یذکرھا اللّٰہ تعالی. (۱)

''اللہ کے ذکر کردہ مصارف کے علاوہ دیگر مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں' مثلاً مساجد' پلوں اور سڑکوں کی تعمیر' سبیلیں لگانے اور میت کے کفن ودفن وغیرہ' ان نیکی کے کاموں میں جن کا ذکر اللہ نے مصارفِ زکوٰۃ کی فہرست میں نہیں کیا ہے''۔

یہ اور اس طرح کی دیگر بے شمار فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک اداء زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے اور مصالح عامہ کے کاموں میں براہِ راست زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا بیشتر بلکہ قریباً تمام معلوم ومسلم ائمہ وفقہاء کے نزدیک ناجائز ہے' حتیٰ کہ اسلامی جہاد اور عسکری ضروریات میں بھی بلاتملیک مستحق براہِ راست مال زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں۔

اتفق جماھیر فقھاء المذاھب علی انہ لا یجوز صرف الزکاۃ الی غیر من ذکر اللّٰہ تعالیٰ من بناء المساجد ..... واعداد وسائل الجھاد کصناعۃ السفن البحریۃ وشراء السلاح ..... ما لا تملیک فیہ(۲)

''جمہور فقہاء مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ مساجد کی تعمیر' بحری جہازوں اور ہتھیاروں وغیرہ وسائل جہاد کی تیاری میں بوجہ عدم تملیک زکوٰۃ کا خرچ کرنا جائز نہیں''۔

لیکن باوجود اس کے بعض اہل علم سے حربی ضروریات میں بلاتملیک زکوٰۃ صرف کرنے کا جواز بھی منقول ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

قال بعض اصحابنا لا مؤلفۃ فیجعل سھم المؤلفۃ وسھم فی سبیل اللّٰہ فی الکراع والسلاح ..... حیث یراہ الوالی(۳)

''ہمارے بعض اصحاب کے بقول مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہے لہٰذا مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ کا مصرف حاکم وقت کی صوابدید پر اسلحہ کی تیاری میں صرف کیا

---

(۱) المغنی' ۶۶۷/۲۔ والافصاح عن معانی الصحاح' ۳۳۱/۱۔ والشرح الصغیر' ۶۶۴/۱

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ' ۸۷۵/۲۔ (۳) کتاب الام الشافعی' ۷۶/۲۔

جاسکتا ہے''۔

اور ملاّ جیون نے لکھا ہے:

"وقیل "فی سبیل اللّٰہ" ای یصرف فی الجهاد بابتیاع الکرابج والسلاح وقیل سدّ الثغور وبناء الرباطاتِ من هذا القبیل ....." (۱)

تلاش سے اس قسم کی مزید جزئیات بھی مل سکتی ہیں۔

''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں توسع

مشہور شافعی عالم ''قفال'' نے بعض فقہاء سے ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں توسّع کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

انهم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارة المسجد لان قوله ﴿وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ عام فی الکل (۲)

''بعض فقہاء نے میت کے کفن دفن اور قلعوں و مساجد کی تعمیر وغیرہ تمام مصارف خیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کی اجازت دی ہے' کیونکہ آیت میں مذکور ''وفی سبیل اللہ'' کے الفاظ عام ہونے کی بنا پر جمیع مصارف خیر کو شامل ہیں''۔

امام رازی نے بھی اسی قول کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

اعلم ان ظاهر اللفظ فی قوله ﴿وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ لا یوجب القصر علی کل الغزاة

''جان لو کہ ''فی سبیل اللہ'' کے ظاہری الفاظ اس کے مفہوم کو غزاۃ تک محدود رکھنے سے اِباء کرتے ہیں''۔

علامہ صنعانی نے لکھا ہے:

ویلحق به من کان قائما بمصلحة عامة من مصالح المسلمین للقضاء والافتاء والتدریس وان کان غنیا وادخل ابوعبید من کان فی مصلحة عامة فی العاملین واشار الیه البخاری حیث قال : باب رزق الحاکم والعاملین علیها. واراد بالرزق ما یرزقه الامام من بیت المال لمن

(۱) تفسیراتِ احمدیہ' ص ۳۷۲ (۲) مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) دار احیاء التراث العربی' بیروت' لبنان ۱۴۲۵ھ' ۱۹۹۹ء مطابق المجلد السادس' الجزء السادس عشر' ص ۸۷۔

یقوم بمصالح المسلمین کالقضاء والفتیا والتدریس فله الاخذ من الزکاۃ فیما یقوم به مدۃ القیام بالمصلحۃ وان کان غنیا[1]

''اور غازی کے ساتھ اس شخص کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جو مصالح مسلمین میں سے مصلحت عامہ کا کوئی کام انجام دے رہا ہو' مثلاً قضاء' افتاء وتدریس' اگرچہ وہ غنی ہو۔ اور ابوعبید نے ایسے شخص کو جو مصلحت عامہ کے کام میں مشغول ہو عاملین میں داخل کیا ہے اور بخاری نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے باب باندھا ہے: ''حاکم اور عاملین صدقات کا رزق'' اور رزق سے ان کی مراد وہ رزق (کفاف) ہے جو امام بیت المال سے اس شخص کو دیتا ہے جو مصالح مسلمین کے کاموں میں مشغول ہو' جیسے قضاء' افتاء اور تدریس۔ ایسا شخص اس مدت کے لئے جس میں وہ اس کام میں مشغول رہتا ہے' زکوٰۃ میں سے لے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی ہو''۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا یجوز قصره علی الغزاۃ فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل اللّٰه الیٰ جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتیٰ وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلک لان قوله سبیل اللّٰه عام فی الکل فلا یختص بصنف دون غیره والقول الاول هو الصحیح لاجماع الجمهور علیه[2]

''بقول بعض علماء ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ عام ہے' لہٰذا غازیوں تک اس کو محدود کرنا جائز نہیں۔ اسی لئے بعض فقہاء نے سبیل اللہ کے مد کو مُردوں کے کفن ودفن' پلوں' قلعوں اور مساجد کی تعمیر وغیرہ مدات (از قبیل وجوہ خیر) میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے' کیونکہ قرآن مجید میں مذکور الفاظ ''فی سبیل اللہ'' عام ہیں' لہٰذا ان کو کسی خاص صنف کے ساتھ مختص نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جمہور کے اجماع کی وجہ سے پہلا قول ہی صحیح ہے''۔

گیارہویں صدی کے محقق اور محدث علامہ مرتضیٰ زبیدی رقم طراز ہیں:

یمکن ان یرید المجاهدین والانفاق منها فی الجهاد لانه یطلق علیه هذا الاسم عرفا ویمکن ان یرید سبیل الخیر کلها المقربة الی اللّٰه[3]

---

(۱) سبل السلام' ۲/۱۴۶۔ (۲) تفسیر خازن' ۳/۹۳۔(۳) اتحاف السادۃ المتقین' ۴/۲۵۰۔

''ممکن ہے کہ اس سے مجاہدین اور جہاد میں صرف کرنا مراد ہو' کیونکہ عرف میں اس پر اس اسم کا اطلاق ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ بننے والے تمام خیر کے کام مراد ہوں''۔

پھر اس کی مزید توسیع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

...... بل ما تقتضيه المصلحة العامة لكل انسان بل لكل حيوان حتى الشجرة يراها تموت عطشا فيكون عنده بما يشترى لها ما يسقيها به من مال الزكوٰة فيسقيها بذلك فانه من سبيل الله وان اراد المجاهدين فالمجاهدون معلومون بالعرف من هم والمجاهدون انفسهم ايضا فى سبيل الله فيعانون بذلك على جهاد انفسهم(۱)

''بلکہ اس سے مراد ہر انسان بلکہ ہر حیوان کے مصلحت عامہ کا کام ہے' حتی کہ اگر کسی درخت کو پیاس کے مارے مرتا ہوا دیکھے اور اس کے پاس زکوٰۃ کی اتنی رقم ہو کہ جس سے اس کی پیاس بجھانے کا انتظام کر سکے تو ضرور اس کا انتظام کرنا چاہئے۔ یہ بھی فی سبیل اللہ کے دائرے میں شامل ہے۔ اور اگر اس سے مجاہدین مراد ہوں تو عرفاً مجاہدین معلوم ہی ہیں اور جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے راستے میں لڑنے والے بھی فی سبیل اللہ کی مد میں شامل ہیں۔ چنانچہ اس مد سے ان کی بھی مدد کی جاسکتی ہے۔''

شامی میں لکھا ہے:

وبهذا التعليل يقوى ...... من ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكاة ولو غنيا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية الى ما لا بد منه (۲)

''اور اس تعلیل سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ طلبۂ علوم دینیہ کے لئے باوجود غنی ہونے کے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز ہے اگر اس نے اپنے آپ کو تعلیم و تعلم کے لئے وقف کیا ہو' کیونکہ اس صورت میں وہ اپنی ضروریات اور حاجات کے پورا کرنے کے لئے کسب مال سے عاجز ہوتا ہے''۔

فقہاء مالکیہ نے تو بانگ دہل غنی طلبہ کو بھی اس مد میں شامل رکھا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ بھی مجاہدین ہیں۔ چنانچہ علامہ صاوی کا بیان ہے:

---

(۱) اتحاف السادة المتقين' ۲۵۰/٤ ۔ (۲) شامی' ابن عابدین' ۳٤۰/۲' ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی۔

مذهب مالک ان طلبة العلم المنهمکین فیه لهم الاخذ من الزکاة ولو غنیا اذا انقطع حقهم من بیت المال لانهم مجاهدون[1]

''علوم (دینیہ) میں منہمک طلبہ کو اگر بیت المال سے وظیفہ نہ ملے تو اُن کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینی جائز ہے چاہے وہ غنی بھی کیوں نہ ہوں' کیونکہ وہ بھی مجاہدین کی صف میں شامل ہیں''۔

علامہ رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں:

"وفی سبیل اللّٰه" هو یشتمل سائر المصالح الشرعیة العامة التی هی ملاک امر الدّین والدّولة واوّلها واولاها بالتقدیم الاستعداد للحرب بشراء السلاح واغذیة الجنود وادوات النقل وتجهیز الفقراء .....

ومن اهم ما ینفق فی سبیل الله فی زماننا هذا اعداد الدعاة الی الاسلام وارسالهم الی بلاد الکفار من قبل جمعیات منظمة تمدهم بالمال الکافی کما یفعله الکفار فی نشر دینهم ویدخل فیه النفقة علی المدارس للعلوم الشرعیة وغیرها عما تقوم به المصلحة العامة. وفی هذه الحالة یعطی منها معلمو هذه المدارس ما داموا یؤدّون وظائفهم المشروعة التی ینقطعون بها عن کسب آخر .ولا یعطی عالم غنی لاجل علمه وان کان یفید الناس به[2]

''فی سبیل اللہ کا مصرف تمام شرعی مصالح عامہ کو شامل ہے جن پر دین اور حکومت کے معاملات کا مدار ہے۔ اور اول و مقدم جنگ کی تیاری ہے جس کے لئے ہتھیار' فوج کے لئے خوراک اور آلاتِ حمل ونقل خریدنا اور جنگ کرنے والوں کو سامانِ جنگ سے لیس کرنا ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں فی سبیل اللہ کا اہم ترین مصرف یہ ہے کہ اسلام کے لئے داعی تیار کئے جائیں اور انہیں کفار کے ممالک میں منظم جمعیتوں کی طرف سے بھیجا جائے اور وہ وافر مال سے ان کی مدد کریں جس طرح کہ کفار اپنے دین کے پھیلانے کے لئے کرتے ہیں۔ اور اس میں علوم شرعیہ وغیرہ کے مدارس پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو مفادِ عامہ کے کام ہیں۔

---

(۱) حاشیہ صاوی' علی تفسیر الجلالین' ۱۵٤/۲۔

(۲) تفسیر المنار' سورۃ التوبۃ' آیت ٦۰ بحوالہ فقہ السنۃ' سید سابق ۳۹٤/۱۔

اور اس حالت میں ان مدارس کے معلمین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا جب تک کہ وہ اپنے مقررہ فرائض انجام دیتے رہیں اور اس بنا پر کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے' البتہ مالدار عالم کو اُس کے علم کی وجہ سے نہیں دیا جائے گا اگر چہ وہ اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچا رہا ہو''۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصارف زکوۃ میں تحدید وحصر کے قائل نہیں ہیں' بلکہ قرآن مجید کی تعبیر کو محض حصر اضافی سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں:

..... قلت فالحصر فی قوله تعالیٰ "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ" اضافی بالنسبة الی ما طلبه المنافقون فی صرفهافی ما یشتهون علی ما یقتضیه سیاق الآیة والسر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورة ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصة للمسلمین غیر الزکاة کثیر مال فلا بد من توسعة لتکفی نوائب المدینة (۱)

''میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اللہ پاک کے اِس حکم 'اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ ''میں حصر اضافی یعنی ان مصارف کی نسبت حصر ہے جن کو منافقین اپنی خواہش کے موافق زکوۃ کا مصرف بنانا چاہتے تھے جیسے کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں رمز یہ ہے کہ حوائج بے شمار ہوا کرتے ہیں اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں بیت المال کے اندر کوئی اور مال کثیر نہیں ہوتا لہٰذا اس میں وسعت دینا ضروری ہے تا کہ شہر کے حوائج کو وہ مال کافی ہو سکے واللہ اعلم۔''

شیخ محمود شلتوت لکھتے ہیں:

اما الجهة الاخری العامة المذکورة بقوله "وفی سبیل اللّٰه" فهی تشتمل سائر المصالح التی هی اساس الدین والدولة واولها واحقها الاستعداد الحربی بجمیع لوازمه حتی المستشفیات العسکریة ومدّ الخطوط الحدیدیة' والقناطر وما الی ذلک مما یعرفه رجال الحرب والمیدان.

ویدخل فی هذه الجهة الاعداد لدعاة اسلامیین اعداداً یظهرون به جمال الاسلام وسماحته ویدفعون بشبه الاعداء الی صدورهم کما

(۱) حجة الله البالغة' ۱۵۶/۲۔

يدخل فيه العمل على تحفيظ القرآن في جمعياته وافراده وانشاء المساجد في الاحياء التي لا توجد فيها المساجد الكافية (۱)

''دوسرا عام مصرف جو ''فی سبیل اللہ'' کے الفاظ میں بیان ہوا ہے' وہ ان تمام مصالح پر مشتمل ہے جو دین اور حکومت کی اساس ہیں۔ ان میں اول و مقدم جنگی تیاری کے کام ہیں' اپنے تمام لوازم کے ساتھ جن میں فوجی ہسپتال' ریلوے لائن بچھانا' پل اور اس قسم کی دوسری چیزیں جن کو جنگی ماہرین ضروری خیال کرتے ہیں' شامل ہیں۔

اور اس مصرف میں اسلام کے ایسے داعی تیار کرنا بھی شامل ہے جو اسلام کے حسن و جمال اور اس کی فیض بخشی کو نمایاں کر سکیں۔ اسی طرح حفظ قرآن کی جو خدمت جماعتی یا انفرادی سطح پر انجام دی جا رہی ہو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ نیز ایسے محلوں میں مسجدیں تعمیر کرنا بھی اس مد میں داخل ہے جہاں مسجدیں کافی نہ ہوں''۔

ابوالکلام آزاد اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں آیتِ صدقہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہِ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لئے ہوں' سبیل اللہ کے کام ہیں اور چونکہ حفظ و صیانت اُمت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے اس لئے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے اور امامِ وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مذکورہ مد سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا ورنہ دین و امامت کے عام مصالح میں مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں' مدارس کے اجراء و قیام میں' دعاۃ و مبلغین کے قیام و ترسیل میں' ہدایت و ارشاد اور اُمت کے تمام مفید وسائل میں''۔ (۲)

علامہ سید سلیمان ندوی کے نزدیک تو ''فی سبیل اللہ'' کا مصرف کافی وسیع ہے۔ لکھتے ہیں:

''فی سبیل اللہ'' ایک وسیع مفہوم ہے جو ہر قسم کے نیک کاموں کو شامل ہے اور حسبِ ضرورت کبھی اس سے مذہبی لڑائی' یا سفرِ حج' یا اور دوسرے نیک کام مراد لئے جا سکتے ہیں''۔

پھر اس پر درج ذیل نوٹ کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا ہے' مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی' ابھی آیت گزر چکی ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ یہاں فی

---

(۱) الفتاویٰ لمحمود شلتوت' ص ۱۱۹

(۲) ترجمان القرآن' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' ۱۶۸/۲۔

سبیل اللہ سے مراد بالاتفاق جہاد نہیں' بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے' اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوۃ میں تملیک ضروری ہے مگر ان کا استدلال' جو لِلْفُقَرَآءِ کے لام تملیک پر مبنی ہے' بہت کچھ مشتبہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لامِ انتفاع ہو جیسے: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾(۱)

نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب ''الروضۃ الندیۃ'' میں ''وفی سبیل اللہ'' کے مصرف پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن جملة "سبيل الله" الصرف في العلماء الذين يقومون بمصالح المُسلمين الدّينية' فان لهم في سبيل الله نصيباً سواء كانوا اغنياء او فقراء' بل الصرف في هذه الجهة من اهم الامور لان العلماء ورثة الانبياء وحملة الدين ..... (۲)

''اور فی سبیل اللہ کے مصرف میں مسلمانوں کے مصالح دینیہ میں مصروف علماء پر خرچ کرنا بھی شامل ہے چاہے وہ فقراء ہوں یا اغنیاء' کیونکہ ''فی سبیل اللہ'' میں ان کا بھی حصہ ہے' بلکہ ان پر خرچ کرنا زیادہ اہم ہے' کیونکہ علماء ہی انبیاء کرام کے ورثاء اور حاملین دین متین ہیں''۔

لیکن خود نواب صاحب مرحوم نے اپنی تفسیر ''فتح البیان'' میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے جمہور کے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ سبیل اللہ سے مراد غزاۃ فی سبیل اللہ ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وقيل ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على نوع خاص ويدخل فيه جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغير ذلك والاول اولى لاجماع الجمهور عليه(۳)

''اور کہا گیا ہے کہ لفظ ''سبیل اللہ'' عام ہے' لہٰذا اس کو کسی خاص نوع تک محدود نہیں کیا جاسکتا ہے' بلکہ اس میں تمام کار خیر شامل ہیں' جیسے مُردوں کی تکفین' پلوں' قلعوں اور مساجد وغیرہ کی تعمیر۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے' کیونکہ جمہور علماء کا اس پر اجماع ہو چکا ہے''۔

---

(۱) سیرت النبی' ۳۵۳/۵۔ (۲) الروضة الندية' ۲۰۷/۱ بحواله تفسير المنار' دار الكتب العلمية' بيروت' ۱۹۹۹/۱۴۲۵' ۴۳۹/۱۰۔ (۳) فتح البيان في مقاصد القرآن' المكتبة العصرية' بيروت' ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۲ء' ۳۳۱/۵۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ''فی سبیل اللہ'' کے مصرف پر بڑی مبسوط اور محققانہ بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد اگرچہ جہاد ہے لیکن صرف عسکری نہیں بلکہ علمی' فکری وغیرہ ہر قسم کا جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

...... فهذه القرائن كلها كافية في ترجيح ان المراد من سبيل الله في آية المصارف هو الجهاد كما قال الجمهور' وليس المعنى اللغوى الاصلى وقد ايد ذالک حديث : ((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ اِلَّا لِخَمْسَةٍ ......)) وذكر منهم الغارم والغازى فى سبيل اللّٰه' ولهذا اوثر عدم التوسع فى مدلول سبيل الله بحيث يشتمل كل المصالح والقربات . كما ارجح عدم التضييق فيه بحيث لا يقصر على الجهاد بمعناه العسكرى المحضه.

ان الجهاد قد يكون بالقلم واللسان كما يكون بالسيف والسنان قد يكون الجهاد فكريا اوتر بويا او اجتماعيا او اقتصاديا او سياسيا كما يكون عسكريا وكل هذه الانواع من الجهاد تحتاج الى الامداد والتمويل.

المهم ان يتحقق الشرط الاساسى لذلک كله وهو ان يكون فى سبيل اللّٰه اى فى نصرة الاسلام واعلاء كلمته فى الارض فكل جهاد اريد به ان تكون كلمة الله هى العليا فهو فى سبيل اللّٰه ايا كان نوع هذا الجهاد وسلاحه [1]

''یہ تمام قرائن اس بات کو ترجیح دینے کے لئے کافی ہیں کہ مصارف والی آیت میں ''سبیل اللہ'' سے مراد جہاد ہے' جیسا کہ جمہور کا قول ہے' اور اصل لغوی معنی نہیں ہیں' اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ کسی غنی کے لئے جائز نہیں مگر پانچ اشخاص کے لئے۔ ان پانچ اشخاص میں الغازی فی سبیل اللہ کا بھی ذکر ہے۔ اسی لئے میں سبیل اللہ کا مدلول متعین کرنے میں ایسی توسع کا قائل نہیں کہ ہر قسم کے مصالح اور تقرب کے کام اس میں شامل ہو جائیں اور نہ ہی اس کے دائرہ کو اتنا تنگ سمجھتا ہوں کہ وہ صرف عسکری جہاد کے لئے خاص ہو کر رہ جائے۔

---

(۱) فقه الزكاة' ۲/۲۵٦,۲۵۷

جہاد جس طرح تلوار اور نیزہ سے کیا جاتا ہے اسی طرح زبان اور قلم سے بھی کیا جاتا ہے۔ اور جس طرح جہاد عسکری ہوتا ہے اس طرح جہاد فکری' تربیتی' اجتماعی' اقتصادی اور سیاسی بھی ہوتا ہے۔ جہاد کی ان تمام قسموں کے لئے مال اور امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ بنیادی شرط پوری ہو اور وہ یہ ہے کہ جہاد اللہ کی راہ میں ہو' یعنی اسلام کی نصرت اور اس کے حکم کو بلند کرنے کی غرض سے ہو اور ہر وہ جہاد جس کا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو' اللہ کی راہ میں ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ ہو''۔

آگے چل کر موصوف فرماتے ہیں:

ان الجهاد فی الاسلام لا ینحصر فی الغزو الحربی والقتال بالسیف فقد صح عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم سُئِلَ اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ: ((کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)).... ان ما ذکرناه من الوان الجهاد والنشاط الاسلامی لو لم یکن داخلا فی معنی الجهاد بالنص لوجب الحاقه به بالقیاس فکلاهما عمل یقصد به نصرة الاسلام والدفاع عنه ومقاومة اعدائه واعلاء کلمته فی الارض وقد رأینا من الحق بالعاملین علی الزکاة کل من یعمل فی مصلحة عامة المسلمین.....

وبذلک یکون ما اخترناه هنا فی معنی سبیل اللّٰه هو رأی الجمهور مع بعض التوسعة فی مدلوله.

اذ کنا قد اخترنا ان الجهاد الاسلامی لا ینحصر فی الجانب المادی العسکری وحده وانه یتسع لانواع اخری من الجهاد لعل المسلمین اکثر حاجة الیها الیوم من غیرها فاننا نستطیع ان تصنع صور وامثلة للجهاد الاسلامی المنشود فی هذا العصر. ونستطیع ان نضرب امثلة شیء لکثیر من الاعمال التی تحتاج الیها رسالة الاسلام فی هذا العصر وهی جدیرة ان تعد بحق جهاد فی سبیل اللّٰه.

وان انشاء مراكز الدعوة الى الاسلام الصحيح وتبليغ رسالته الى غير المسلمين في كافة القارات في هذا العالم الذى تتصارع فيه الاديان والمذاهب جهاد في سبيل الله.

وان انشاء مراكز اسلامية داعية في داخل بلاد الاسلام نفسها تحتضن الشباب المسلم وتقوم على توجيهه الوجهة الاسلامية وحمايته من الالحاد في العقيدة والانحراف في الفكر والانحلال في السلوك وتعده لنصرة الاسلام ومقاومة اعدائه جهاد في سبيل الله.

وان انشاء صحيفة اسلامية خالصة تقف في وجه الصحف الهدامة والمضللة لتعلى كلمة الله وتصدع بقوله الحق وتردّ عن الاسلام اكاذيب المفترين وشبهات المضللين وتعلم هذا الدين لاهله خاليا من الزوائد والشوائب جهاد في سبيل الله.

وان نشر كتاب اسلامي اصيل يحسن عرض الاسلام اوجانبا منه ويكشف عن مكنون جواهره ويبرز جمال تعاليمه..... وتعميم مثل هذا الكتاب على نطاق واسع جهاد في سبيل الله.

وان تفريغ رجال اقوياء امناء مخلصين للعمل في المجالات السابقة بهمة وغيرة وتخطيط لخدمة هذا الدين ومدِّ نوره في الآفاق ورد كيد اعدائه المتربصين به وايقاظ ابنائه النائمين عنه ومقاومة موجات التبشير والالحاد والاباحية جهاد في سبيل الله.

وان معاونة الدعاة الى الاسلام الحق الذين تتآمَرُ عليهم القوى المعادية للاسلام في الخارج مستعينة بالطغاة والمرتدين من الداخل فتكيل لهم الضربات وتسلط عليهم الوان العذاب تقتيلاً وتعذيباً وتجويعاً ان معاونة هؤلاء على المقاومة والثبات في وجه الكفر والطغيان جهاد في سبيل الله.

وان الصرف على هذه المجالات المتعددة لهو أولى ما ينبغي ان يدفع فيه المسلم زكاته وفوق زكاته فليس للاسلام — بعد

الله ــــ ابناء الاسلام وخاصة فی غربة الاسلام(1)

''اسلام میں جہاد تلوار سے جنگ تک محدود نہیں ۔ چنانچہ صحیح حدیث ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ حق بات جو کسی ظالم سلطان کے سامنے کہی جائے ۔ جہاد کی جو قسمیں ہم نے بیان کی ہیں وہ اگر منصوص طور پر جہاد کے حکم میں داخل نہ بھی ہوں تو قیاساً ان کو جہاد سے متعلق ماننا پڑے گا' کیونکہ دونوں کا مقصود اسلام کی نصرت' اس کا دفاع' اس کے دشمنوں کا مقابلہ اور اللہ کے کلمہ کو اُس کی زمین پر بلند کرنا ہے ۔ بعض فقہاء نے عاملین میں ان لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جو مسلمانوں کے عام مفاد سے متعلق کوئی خدمت انجام دیں ۔

اس طرح سبیل اللہ کے مفہوم کے بارے میں ہم نے جو رائے قائم کی ہے وہ درحقیقت اپنے مدلول میں قدرے توسع کے ساتھ جمہور کی رائے ہی ہے ......

ہمارے نزدیک جہاد اسلامی صرف مادی اور فوجی طریقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہے جس میں دوسرے طریقے بھی شامل ہیں اور شاید مسلمان آج اس کے سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں' لہٰذا ہم اس کی مختلف صورتیں جو اس زمانہ میں مطلوب ہیں' پیش کرنا چاہتے ہیں ۔

عصر حاضر میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لئے جن سرگرمیوں کی ضرورت ہے اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں ۔ ان کا شمار بجا طور پر فی سبیل اللہ میں کیا جا سکتا ہے ۔

صحیح اسلام کو پیش کرنے کے لئے دعوتی مراکز قائم کرنا جن کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ادیان و مذاہب کی کشمکش کے درمیان غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکے' یقیناً جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے ۔

اسلامی ممالک میں ایسے مراکز قائم کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے جو مسلم نوجوانوں کی صحیح تربیت' اسلام کے اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر کے مطابق ان کی رہنمائی' الحاد' فکری انحراف اور عملی بے راہ روی سے بچا کر انہیں اسلام کی حمایت و نصرت اور اس کے دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار کریں ۔

اسی طرح خالص اسلامی جریدے کا اجراء جو گمراہ صحافت کے درمیان اللہ کا کلمہ بلند کرنے' حق بات کا اظہار کرنے' اسلام پر عائد کئے جانے والے جھوٹے الزامات

---

(1) فقه الزكاة' ٣/٢٥٦ تا ٢٦٩ ملخصاً

کی تردید کرنے' شبہات کا ازالہ کرنے اور اسلام کو ہر قسم کی حاشیہ آرائی اور شائبوں سے پاک کر کے صحیح شکل میں پیش کرنے کی خدمت انجام دے بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسی دینی کتاب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت جو بنیادی اہمیت کی حامل ہو اور جو اسلام کو یا اس کے کسی پہلو کو اس خوبی کے ساتھ پیش کرے کہ اس کے پوشیدہ جواہر پاروں سے پردہ اٹھ جائے' اس کی تعلیمات کی خوبیاں نمایاں اور اس کے حقائق بے نقاب ہوں' جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف ہے۔

پختہ کار' امانت دار اور مخلص افراد کو فارغ کرنا تاکہ وہ دین کی خدمت کریں' اس کی روشنی کو چہار دانگ عالم میں پھیلائیں' اس کے دشمنوں کی چالوں کو بے اثر کر کے رکھ دیں' فرزندانِ اسلام میں بیداری پیدا کریں اور عیسائی مشن' الحاد اور اباحیت کے طوفان کا مقابلہ کریں منجملہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور دین حق کے داعیوں کی معاونت کرنا جن پر اسلام دشمن طاقتیں داخلی عناصر ـــ مرتد اور سرکش افراد ـــ کی مدد سے مسلط ہو جاتی ہیں اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دینے لگتی ہیں' ان کی معاونت کرنا تاکہ کفر اور سرکشی کے مقابلے میں ثابت قدم رہیں' سراسر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ زکوٰۃ کے صرف میں ایسے کاموں کو اوّلین اہمیت دیں' کیونکہ اسلام کے مددگار' اللہ کے بعد فرزندانِ اسلام ہی ہیں اور خاص طور پر ایسے دور میں جبکہ اسلام غربت سے دوچار ہے"۔

المجمع الفقه الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ

علماء کی ان انفرادی آراء کے علاوہ توسع کی تائید میں علماء کا اجتماعی فیصلہ بھی موجود ہے۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس المجمع الفقهی الاسلامی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۸۵ء میں' جو شیخ عبدالعزیز بن باز کی صدارت میں منعقد ہوا تھا' فی سبیل اللہ کے مصرف کے بارے میں درج ذیل قرارداد منظور کی:

"وبعد تداول الرای ومناقشة ادلة الفریقین قرر المجلس بالاکثریة ما یلی:

۱) نظرًا الی ان القول الثانی قد قال به طائفة من علماء المسلمین وان له حظا من النظر فی بعض الآیات الکریمة مثل قوله تعالیٰ: ﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى ﴾ ومن الاحاديث الشريفة مثل ما جاء في سنن ابي داوٗد ان رجلا جعل ناقة في سبيل اللّٰه فارادت امراته الحج فقال لها النبي صلى اللّٰه عليه وسلم : ((اِرْكَبِيْهَا فَاِنَّ الْحَجَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)).

٢) ونظرًا الى ان القصد من الجهاد بالسلاح هو اعلاء كلمة اللّٰه تعالٰى وان اعلاء كلمة اللّٰه تعالى مما يكون ـــــ ايضًا ـــــ بالدعوة الى اللّٰه تعالى ونشر دينه باعداد الدعاة ودعمهم ومساعدتهم على اداء مهمتهم فيكون كلا الامرين جهادًا لما روى الامام احمد والنسائي وصححه الحاكم عن انس رضي الله عنه ان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال : ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ)).

٣) ونظرًا الى ان الاسلام محاربٌ ـــــ بالغزو الفكرى والعقدى من الملاحدة واليهود والنصارى وسائر اعداء الدين وان لهؤلاء من يدعمهم الدعم المادى والمعنوى فانه يتعين على المسلمين ان يقابلوهم بمثل السلاح الذى يغزون به الاسلام وبما هو انكى منه.

٤) ونظرًا الى ان الحروب في البلاد الاسلامية اصبح لها وزارات خاصة بها ولها بنود مالية في ميزانية كل دولة بخلاف الجهاد بالدعوة فانه لا يوجد له في ميزانيات غالب الدول مساعدة ولاعون.

لذلك كله المجلس يقرر ـــــ بالاكثرية المطلقة ـــــ دخول الدعوة الى الله تعالى وما يعين عليها ويدعم اعمالها في معنى ـــــ وفي سبيل اللّٰه ـــــ في الآية الكريمة.(١)

ترجمہ: تبادلہ آراء اور فریقین کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد مجلس نے کثرتِ رائے سے درج ذیل قرارداد منظور کی:

١) اس بات کے پیشِ نظر کہ دوسرے قول کا قائل علمائے مسلمین کا ایک گروہ ہے اور اس کی تائید بعض آیاتِ کریمہ سے ہوتی ہے، مثلاً: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى﴾ (البقرۃ:٢٦٢) ''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اُس خرچ کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دل آزاری کرتے

(١) قرارات المجمع الفقهي الاسلامي برابطة العالم الاسلامي، ص ١٦٣۔

ہیں''۔ نیز بعض احادیثِ شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ابوداؤد کی یہ روایت کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی اللہ کی راہ میں دے دی اور اس کی بیوی حج کرنا چاہتی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اس پر سواری کرو' کیونکہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

۲) اور اس بات کے پیشِ نظر کہ مسلح جہاد سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ جہاں قتال کے ذریعہ بلند ہوتا ہے وہاں دعوۃ الی اللہ اور اشاعتِ دین کے ذریعہ بھی ہوتا ہے جس کے لئے داعیوں کو تیار کرنے اور ان کی امداد و اعانت کی ضرورت ہوتی ہے' تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرسکیں۔ لہٰذا دونوں ہی باتیں جہاد میں شامل ہیں۔ چنانچہ امام احمد اور نسائی کی روایت ہے' اور اسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے' کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ)) ''مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ۔

۳) اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اسلام ملحدوں' یہود' نصاریٰ اور تمام دشمنانِ اسلام کی طرف سے کئے جانے والے فکری اور اعتقادی حملوں کا مقابلہ کرتا ہے اور ان کو ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو اُن کی مادّی اور معنوی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ بھی ویسے ہی ہتھیاروں سے ان کا مقابلہ کریں جن کے ذریعے وہ اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں' بلکہ اُن سے بھی زیادہ کاری ضرب لگانے والے اسلحہ سے۔

۴) اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ممالک اسلامیہ میں جنگی معاملات کے لئے خاص وزارتیں تشکیل دی جاتی ہیں اور اس کے لئے ہر حکومت کے بجٹ میں مالی دفعات ہوتی ہیں بخلاف دعوتی جہاد کے کہ اس کے لئے اکثر ممالک کے بجٹ میں امداد و اعانت کے لئے کوئی رقم تجویز نہیں کی جاتی۔

ان تمام وجوہ کی بنا پر یہ مجلس مطلق کثرتِ رائے سے طے کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ' اور جو چیزیں اس میں معاون ہوں اور جو کام اس کو تقویت پہنچانے والے ہوں وہ سب آیت کریمہ میں مذکور ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' کے معنی میں داخل ہیں۔ انتہیٰ

خلاصہ بحث

آیت صدقہ میں ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' سے مراد ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک مصروف فی القتال غازی ہیں۔ حنفیہ میں سے امام محمد اور امام احمد بن حنبل نے منقطع الحاج کو

بھی اس میں شامل کیا ہے۔ پھر احناف کے نزدیک صرف ضرورت مند غازی ہی زکوٰۃ لینے کا اہل ہے جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غازی میں فقر و احتیاج کی شرط نہیں ہے۔

لیکن بایں ہمہ متاخرین میں سے بہت سے علماء نے ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'' کے مفہوم میں توسع کا قول اختیار کیا ہے' جیسا کہ سابق میں علماء کی انفرادی آراء اور المجمع الفقھی الاسلامی کی قرارداد کی صورت میں ان کی اجتماعی رائے آپ کے سامنے آ چکی ہے۔

سابقہ دلائل اور متاخرین علماء کرام کی آراء کو سامنے رکھ کر فی سبیل اللہ کا مصداق ان تمام امور کو قرار دیا جا سکتا ہے جو دین کی دعوت' اس کی تدریس' اس کی نشر و اشاعت اور اس کی خدمت کے تعلق سے ملت کو درپیش ہیں۔ اس کے مفہوم کو عسکری جہاد تک محدود رکھنا صحیح نہ ہوگا۔

فقہی کتابوں میں مصارف زکوٰۃ کے مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً تمام فقہاء نے کسی نہ کسی صورت میں تعلیل کی ہے۔ مثلاً ابن رشد کے بیان کے مطابق بعض حضرات نے عاملین پر قیاس کرتے ہوئے ان علماء اور قاضیوں کے لئے بھی زکوٰۃ کی اجازت دی ہے جو مسلمانوں کے امور اور مصالح عامہ میں مشغول ہوں۔

یا حنفیہ میں سے صاحب ردالمحتار نے ابن السبیل پر قیاس کر کے ان لوگوں کے لئے بھی زکوٰۃ لینے کی اجازت دی ہے جن کا مال گم ہو چکا ہو یا ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ وصول نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے ہی شہر میں کیوں نہ ہوں۔

یہ قیاسات صحیح ہیں یا غلط اس سے بحث نہیں' البتہ ان سے کم از کم اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں تعلیل کی اتنی گنجائش موجود ہے کہ اس کے حصر پر کوئی اثر پڑے بغیر مصارف ثمانیہ میں وسعت پیدا کی جا سکے۔

اب آیئے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی طرف جس سے جمہور فقہاء نے غزوہ اور جہاد مراد لیا ہے۔ اس کو بعینہٖ اسی صورتحال پر برقرار نہیں رکھ سکتے اور نہ وہ نوعیت' جو عہد نبوی میں تھی' فی نفسہٖ مطلوب ہے' بلکہ مقصد جہاد اعلاء کلمۃ اللہ اور نصرت دین اسلام ہے' لہٰذا اس کے لئے جتنی شکلیں اور جتنے میدان مسلمانوں کو اختیار کرنے پڑیں وہ سب جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اور یہ اس قدر بدیہی بات ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ آخر سوچنے کی بات ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں جو جنگیں تلوار' نیزے' گھوڑے' اونٹ' ہاتھی اور تیر کے ذریعے لڑی جاتی تھیں' اگر جہاد سے مراد صرف عسکری جنگ (بقول

جمہور) ہی ہو تو کیا آج کے دور میں مذکورہ بالا ہتھیار استعمال کر کے ہم جنگ لڑ سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں بلکہ آج کے دور میں عسکری جنگ کے لئے جو جدید اسلحہ بنا ہے اُس ہی کو اختیار کر کے دشمن کے دانت کھٹے کئے جا سکتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جنگ و جہاد کے لئے ہر دور کے لحاظ سے ہتھیار اور میدان تبدیل کرنے پڑتے ہیں۔

آج کا دور عسکری جہاد سے بڑھ کر فکری' اقتصادی اور سیاسی جہاد کا ہے۔ جہاد تو آج بھی جاری ہے' مگر اس کی نوعیت بدل چکی ہے' اسی طرح میدان بھی نئے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ تمام حضرات مجاہدین فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جو اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف کسی بھی اعتبار سے برسر پیکار ہوں' خواہ وہ فکری' سیاسی' اقتصادی کسی بھی طرح ان کا مقابلہ اور اسلام کی جانب سے دفاع کر رہے ہوں۔

Bayan-ul-Qur'an

(English)

Translation of the meaning of
Al-Qur'an with brief explanation

By

Dr. Israr Ahmad

(This program was recorded in USA)

Now available in a set of 112 Audio CDs

Price Rs: 4400/=

Maktaba Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an
Qur'an Academy, 36-K, Model Town, Lahore
Ph: 5869501-03 Fax: 5834000
www.tanzeem.org e-mail:info@tanzeem.org

''مصارفِ زکٰوۃ۔ اور
عصرِ حاضر میں مصالح اُمّت محمدیؐ''

ایک اہم وضاحت

از: انجینئر مختار حسین فاروقی

حکمت قرآن کی حالیہ اشاعت (اپریل ۰۴ء) میں راقم کی ایک تحریر جو ''مصارف زکوٰۃ اور اکیسویں صدی میں مصالحِ اُمت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے وہ دراصل ایک اجلاس میں اس مقصد کے تحت تیار کر کے پیش کی گئی تھی کہ ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں زکوٰۃ کے مسئلہ میں کیا کیا مراحل سامنے آئے ہیں اور علماءِ اُمت نے نئے حالات میں کیا رہنمائی کی ہے۔ اس میں ضمناً زکوٰۃ کے بارے میں تنظیم اور انجمن ہائے خدام القرآن کی سطح پر زکوٰۃ کے مصارف اور ماضی قریب کی کچھ ردّوقدح بھی آ گئی ہے۔

اس ضمن میں راقم نے تمہید کے طور پر جو کچھ لکھا ہے (جو حکمتِ قرآن کے گزشتہ ماہ کے شمارے میں بصورتِ مقالہ شائع ہو چکا ہے) وہ اس ردّوقدح کا لب لباب ہے۔ جیسا کہ وہاں ذکر ہے' راقم نے کراچی سے تعلق رکھنے والے ایک مخلص ساتھی جناب راشد یار خان صاحب سے ۷؍فروری ۰۳ء کی ملاقات میں جو کچھ اخذ کیا تھا وہ درج کر دیا ہے۔ تاہم اس پر کراچی کے ہمارے ایک اور سینئر ساتھی نے توجہ دلائی کہ اس مضمون کے تمہیدی حصے میں بعض واقعاتی باتیں جو نفس مضمون کے اعتبار سے قطعی غیر اہم ہیں' خلافِ واقعہ ہیں جس کا ماحصل سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے تاکہ ریکارڈ درست رہے اور اگر کوئی بات میری تحریر میں خلاف واقعہ شامل ہو گئی ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے:

(i) زکوٰۃ کے بارے میں عدم اطمینان انجمن ہائے خدام القرآن اور تنظیم دونوں سطح پر ہے۔

(ii) جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مذکورہ دو اصحاب سے ان کے اشکال کو رفع کرنے کی غرض سے کوئی ذاتی ملاقات نہیں کی تھی (وہ تاثر کسی اجتماع کا ہے)

(iii) مصارف زکوٰۃ کے بارے میں انجینئر نوید احمد کی مذکورہ تحریر تقریباً چار سال پرانی ہے۔

(iv) مذکورہ ساتھیوں کا اظہار عدم اطمینان کے بعد بحث وتمحیص کا یہ موجودہ سلسلہ تین چار سال سے نہیں بلکہ نو یا دس ماہ پر مشتمل ہے (تحریر ۱۵ مارچ ۰۴ء)

آخر میں تمام قارئین سے گزارش ہے کہ وہ مذکورہ مضمون میں نفسِ مضمون پر توجہ مرکوز فرمائیں تاکہ عالم اسلام کے تمام خادمین دین مبین' جو کہ کسی نہ کسی طرح اپنے اداروں کے لئے صدقات وخیرات اور زکوۃ کے استعمال کرنے والے ہیں وہ اپنے باطنی اضطراب اور 'حیلہ' سے نجات حاصل کرسکیں۔ بصورت دیگر موجودہ صورت حال تو جاری ہے اور شاید جاری رہے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ' وارنا الباطل باطلا
وارزقنا اجتنابہ آمین یارب العالمین

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

78' سیکٹر A-1' ٹاؤن شپ لاہور فون: 5114581

رجسٹرڈ لاہور بورڈ سے الحاق شدہ

CLASSES:F.A (ARTS), F.A (GEN.SCIENCE), ICS & B.A

طوبیٰ گرلز کالج اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام طالبات کے لئے جدید تعلیم کا ایک ایسا ادارہ ہے جہاں غیر تجارتی بنیادوں پر انٹرمیڈیٹ اور بی۔اے کی سطح پر معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم وتربیت اور نظریۂ پاکستان سے آگاہی کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

نمایاں خصوصیات

❁ ٹاؤن شپ سیکٹر A-1 میں شاندار دو منزلہ عمارت ❁ تجربہ کار اور کوالیفائڈ ٹیچنگ سٹاف ❁ انٹر اور بی اے کے دوران کمپیوٹر کی لازمی اور مفت تعلیم ❁ پک اینڈ ڈراپ سروس ❁ درسی کتب' حوالہ جاتی کتب اور متفرق جرائد پر مشتمل کشادہ لائبریری ❁ صاف ستھری کینٹین کی سہولت ❁ کھیل اور تفریح کے لئے مناسب باپردہ جگہ اور انڈور اور آؤٹ ڈور گیمز کی سہولت ❁ ذہین اور مستحق طالبات کے لئے سکالرشپ کا بندوبست

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

جسے بجا طور پر سلسلہ اقبالیات میں ''بقامت کہتر و لے بقیمت بہتر''
کی مصداق کامل قرار دیا جا سکتا ہے

علامہ اقبال اور ہم

مع

فکر اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ کا جائزہ
اور ہماری قومی ذمہ داریاں

☆☆☆

❁ حیات و سیرتِ اقبال ❁ فلسفہ اقبال
❁ ملت اسلامیہ کے نام علامہ اقبال کا پیغام

(از قلم : پروفیسر یوسف سلیم چشتی

☆☆☆

❁ اقبال اور قرآن ' از قلم: سید نذیر نیازی

قارئین کی سہولت کے لئے فارسی اشعار کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب کیا گیا ہے

قیمت: اشاعت خاص (سفید کاغذ' پائیدار و خوبصورت جلد) 72 روپے
اشاعت عام: (نیوز پیپر ایڈیشن) 30 روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501' فیکس: 5834000